

النگرہ نمبر



ریحانہ آفتاب



ناولٹ

”ککش زوار! تمہیں اپنا نہ بتایا تو اپنا دھوا ہی
صغہ ہستی سے مٹا دوں گا۔ یہ وعدہ رہا یماز حیدر کا تم
سے۔“ رعونت سے ادا کیا جانے والا جملہ ارد گرد میں
گونجا۔

”خیر کر لیا تا تم نے وہ جو تم چاہتے تھے۔“ اس کے
لب کچپکا گئے۔ آنسوؤں کا گولہ حلق میں پھنس گیا۔
آنکھیں سلون بھلاؤں بن گئیں۔ اظہار سے ہی بے
کسی عروج کو چھو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں کوئی بے ہوش
میں یماز حیدر نے پکھنا چور کر دیا تھا۔ اختیار اور قہری
بے نیازی کی بہت بھاری قیمت چکانا پڑی تھی اسے وہ
اس وقت کو کوئے لگی جب یونیورسٹی کے پہلے دن
زیریں نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

”تمہ سے دوستی کریں گی؟“ لہجہ اتنا معصوم تھا کہ
اس کے لب بے ساختہ مسکرائے۔

”کیوں نہیں؟ ککش زوار زیریں کا بڑھا ہاتھ گرم
چوٹی سے تمام کر گویا ہوئی۔ زیریں غصے پیاری لڑکی
تھی۔ دونوں کی دوستی اتنی گہری ہو گئی کہ ان کے
درمیان قیسے بندے کی گنجائش نہ رہی۔

”ککش تم مجھے اتنی اچھی کیوں لگتی ہو؟“ بعض
اوقات وہ سوال کرتی اور ککش اس کے والہانہ انداز پر
غفل سے کھورے لگتی۔

”زیریں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تمہارے اندر کسی
لڑکے کی روح چھپی ہوئی ہے۔“ زیریں کا انداز محبت
محبوبانہ ہوتا تھا۔

”نجانے تم میں ایسی کیا بات ہے۔ پہلی بار جب
میں تمہارے ساتھ بیٹھی تھی اور تم تیزی سے سرائی
کے پوائنٹ ٹوٹ کر رہی تھیں۔ تم نے میری طرف
دیکھا بھی نہیں تھا۔ بس اسی وقت میں نے وہی میں
ٹھکان لی چاہے کچھ ہو جائے تم سے دوستی ضرور کروں
گی۔ کاش میں لڑکا ہوتا تو فوراً ”تم سے شکوی کر لیتا۔“

”تم کیا گل ہو زیریں۔ یوں ہر کسی پہ اندھا ملتا نہیں
کرتے دوست کو دوست سمجھنا چاہیے ضرورت نہ
ہے۔“ گل کو یونیورسٹی سے فارغ ہو کر میں اور تم
انگ ہو جائیں گے۔ پھر کیا کرو گی تم؟ ابھی تو میرے

تم کہنے تک نہیں جانتی۔
 "تمہارا فلسفہ اپنی جگہ۔ لیکن مجھے یقین ہے ہم
 ہیٹھ اک دوسرے کے ساتھ رہیں گے۔"
 "یہ ممکن ہے امپا سیل۔"

"یہاں ہر بات ممکن ہے۔" وہ اٹھ لیٹے بیٹھ بیٹھ
 کشش نے بحث طویل ہونے کے خدشے کے پیش
 نظریات بدل دی۔

"کی جان بھائی اور نیو کیسا ہے؟"
 "سب اچھے ہیں نیو تو ہمیں بہت یاد کرتا ہے۔ ہر
 وقت پوچھتا ہے اچھی والی پچھو کب آئیں گی؟ آج
 کل مری کاؤنٹ میں ہوتا ہے۔ کل لی جان بھی
 تمہارا پوچھ رہی تھیں۔ آج تم میرے ساتھ چلو گی۔"
 وہ یونہی جذباتی ہو جاتی تھی۔

"جلد ہی آؤں گی۔" اس کے گھورنے۔ دوستانہ
 مسکراہٹ سجا کر بولی۔ پہلی بار زریں کے گھر گئی تو ڈر
 رہی تھی جانے کیسے لوگ ہوں مگر سب سے مل کر ہر
 خدشہ دم توڑ گیا۔ اس کی تہ پہلی بار ہوئی تھی مگر گ رہا
 تھا وہ سب اسے بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔
 ریفریجسٹ میں اپنی من پسند چیزیں دیکھ کے وہ حیرت
 سے دیکھ رہی تھی۔

"ہمارے گھر میں چوبیس سو گھنٹے تمہارا ہی ذکر ہوتا
 ہے۔ تم سے متعلق اک اک بات زریں نے بتا رکھی
 ہے۔ ہمیں دیکھ کر ذرا حیرانی نہ ہوئی۔ زریں نے
 ہمارے رشتوں میں جو خاکہ بنایا ہے تم اس پر پوری
 اتاری ہو۔" وہ شرمندہ سی زریں کو گھور رہی تھی جو
 ڈھٹائی کے اگلے پیچھے دیکھ کر توڑی مسکرا رہی تھی۔
 زریں کی امی جنہیں وہ لی جان کہتی تھی اسے بہت
 چاہتے تھے۔ اس کے بابا جان کھف گئے سوٹ
 میں شل کاندھوں پہ ڈالے جب محبت سے اس کا
 احوال دریافت کر رہے تھے تو بہت اپنے لگے۔ پھر عید
 بھائی تھے۔ وٹا کی طرح نہیں کچھ اور زندہ دل۔ اس کے
 بعد یماز حیدر تھا۔ جو بارہ یونیورسٹی میں نجلے کون

میرا بھائی بہت جیتنمیں ہے۔ اس کا اک ہی

شوق ہے اپنے نام کے آگے ڈگریوں کا اضافہ کرنا۔
 "تو! لگتا یار ا شوق ہے۔ کاش سب کو ہوتا۔"
 اسے تو ماسٹر کرنا ہوئے شیر لانے کے مترادف لگ رہا
 تھا۔ صبح سویرے یونیورسٹی کے لیے لکھنا کوئی آسان کام
 تو نہ تھا۔ دن کے بارہ بجے سو کر اٹھنے والوں کے لیے۔
 یماز حیدر کے لیے اس نے زریں کے لیے میں بہت
 محبت دیکھی تھی۔ بلاشبہ وہ اسے بہت عزیز تھا۔ یماز کی
 تعریف کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھی۔ وہ
 بھی مجبوراً اس کی کہ اس کا بھائی تھا۔

"کشش یماز بھائی واپس آگئے ہیں۔ اچانک آکر
 سر اتر دیا انہوں نے وہ تو اب بھی نہ آتے مگر میں نے
 ای میل کی۔ ایسا کیا تھا کہ آتے ہی نی۔ مجھ سے بے حد
 پیار جو کرتے ہیں۔" وہ اسے فون پر خوشخبری سن رہی
 تھی "بات کرو گی بھائی سے۔ تمہیں میرے پاس
 براہین ہیں۔"

"ابھی میرا دماغ اتنا خراب نہیں ہوا نہ جان نہ
 پہچان اور میں ان سے بات کرنے لگوں۔ تمہارا تو دماغ
 خراب ہے۔ بھائی کی محبت کا بھوت اتر جائے تو
 یونیورسٹی آجانا۔ مانا آواز دے رہی ہیں۔ اپنا خیال رکھنا
 ۔ اللہ حافظ۔" فون رکھا جا چکا تھا۔ ریفریجسٹ میں سے ہانا
 کر یماز حیدر نے بے ساختہ ریفریجسٹ کو گھورا جیسے اس کی
 شکل نظر آجائے گی۔ اپنی بات کہہ کر زریں نے ریفریجسٹ
 اسے پکڑ دیا تھا۔ اس کے بولنے سے پہلے ہی وہ اپنی
 بات پوری کر کے فون بند بھی کر چکی تھی۔
 "تم تو بہت تعریفیں کر رہی تھیں مگر تمہاری فریڈ تو
 مجھے بہت مغرور لگی۔"

"نہیں تو بھائی۔" پھر وہ شروع ہوئی تو یماز حیدر کو
 اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر کہتا رہا۔
 "بند کرو۔" کشش نامہ "تم نے مجھے جتنے بھی ای
 میل کیے ان میں کوئی سے زیادہ ان محترمہ کی مالک
 ہوئی تھیں۔ تم میری بہن ہو یا اس کی؟" وہ پوچھا۔

"آج ہی یونیورسٹی کی یاد؟" اک ہفتے بعد زریں کو

دوبارہ دیکھ کر کشش خوشگیاں لگا ہوں سے گھورنے
 لگی۔

"سوری یار تم یوں تو نہیں ہو تیں؟"
 "میری نہیں اپنی فکر کرو۔ سرائیگر نے اسائنمنٹ
 دیا تھا جیسے سبٹ کرانے کی آج آخری تاریخ ہے۔"
 "لوہ تو اب کیا ہو گا؟" وہ گھبرا گئی۔ سرائیگر سے تو
 ہر اسٹوڈنٹ کی جان جاتی تھی تو ہر بات کے جواب میں
 سر دھری سچا کے لیے کو اور ڈرنا پنا کر کہتے تھے۔ تو
 آکر گھٹا ہونے لگی اور تو۔

"تم مجھے فون کر کے نہیں بتا سکتی تھیں؟" وہ
 جھکنے لگی۔

"کچھ شرم کریں محترمہ پیچھے ایک ہفتے سے آپ
 گھنٹوں کی سیر کوئی ہوئی تھیں۔" اس نے یاد دلایا۔
 "ہاں تو اب کیا ہو گا؟" وہ حقیقتاً پریشان تھی
 "لکھ جیو لی تمہارا اسائنمنٹ میں نے سبٹ کر دیا
 اسے تو ڈرنا سن رہی تھی۔" کشش مسکراتے ہوئے بولی
 تو وہ بھی مار کر اس سے لپٹ گئی۔

"تو دوست دوست ہو تو تم جیسی لیکن کتنا خون
 جھایا میرا۔"

"اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔
 کیسے چلیں۔"

"ہاں اوہ سوری! بدبخت کی گزریوں میں مجھے یاد ہی
 نہیں رہا۔ یہ میرا بہت جیتنمیں بھائی یماز حیدر اور بھائی
 ۔ کی از کشش زوار۔"

"آجے نو اسلام علیکم۔" وہ دیکھ بھی نہ پائی تھی کہ
 زریں کے ساتھ کوئی لڑکا بھی کھڑا ہے۔ اس میں اس کی
 ذاتی کو کشش کا دخل بالکل نہیں تھا۔ نجلے کیوں وہ
 اتنی مین رہتی تھی کہ ارد گرد سے قطعی بے نیاز نظر
 آتی تھی۔ اس کے ساتھ الیہ تھا کہ وہ کسی سے دو گھنٹے
 بات کر سکتی اور اگر کوئی پوچھ لیتا کہ اس شخص نے کون سے
 فکر کا سوٹ پہنا تھا تو اس کا جواب ہوتا میں نے دیکھا ہی
 نہیں۔ "عموماً اس عادت کے باعث بدبخت لوگ اسے
 گھنٹہ بھر اور مغرور سمجھتے تھے۔
 "و علیکم اسلام۔"

"زریں پر تو لگتا ہے آپ نے جاو کر دیا ہے شی از
 کریزی ڈاؤن۔ اتنا کریزی اسے میں نے کبھی نہیں
 پایا۔ آپ میں تو لگتا ہے اس کی جان اٹکی ہوئی ہے۔
 آپ کے ذکر کے بنا اس کی صبح نہیں ہوتی۔ میں بہت
 جیلس ہو رہا ہوں آپ سے اتنی اہمیت اس نے
 میرے علاوہ کبھی کسی کو نہیں دی۔" بلیک جینز شرٹ
 اور بلیج جیکٹ میں اس سے مخاطب اس شخص کو اس
 نے بے ساختہ دیکھا۔

"زریں کی محبت ہے۔ جہاں تک جیلس ہونے
 کی بات ہے۔ تھوڑا عرصہ صبر کریں۔ فائنل سسٹر
 کے بعد ہم یونیورسٹی کو خیر باد کہہ کر زندگی کے گھمیلوں
 میں گھو جائیں گے تو زریں بھول جائے گی کہ اس کی
 کبھی کشش زوار سے دوستی بھی ہوئی تھی۔" جواب
 میں زریں اسے گھورنے لگی تھی۔

"مگر زریں کا ارادہ تو کچھ اور ہے۔" سنہری آنکھوں
 میں شوخی سمو کے اس پر اعتماد شخص نے زریں
 مسکراتے کہا تو وہ استقامت سے نظروں سے اسے دیکھنے
 لگی۔

"کیسے چلتے ہیں۔" یماز حیدر کو تنبیہ کرتی نظروں
 سے زریں نے آگے پیش قدمی کی۔ وہ یماز حیدر کے
 لبوں پہ چٹائی مسکراہٹ کو ابھینے سے دیکھنے لگی۔
 "آپ نے کبھی کسی لڑکی کو اپنی باتوں، توازن اور
 آنکھوں سے ہتھارت کر کے دیکھا ہے؟" نظریں اس پر
 جمائے وہ گویا تھا اس نے نا سمجھ انداز میں سر ہٹائی
 ہلایا۔

"آج گھر جا کر آئینہ دیکھ لیجئے گا۔" کیا کچھ پور کراتی
 نظریں تھیں اس کی۔ ارد گرد کا ماحول پر فسون سا ہو گیا
 تھا۔

"کشش میں چاہتی ہوں تم یماز بھائی کی مسز بنو۔"
 اگلے دو زریں نے کہا تو وہ بھونچکی رہ گئی۔
 "زریں زریں کیسا گھٹیا مذاق ہے۔"
 "یہ مذاق نہیں ہے۔ میری دلی خواہش ہے۔ ہم

خوانین ڈائجسٹ پبلی کیشنز

کی ایک خوبصورت پیشکش

نامور مصنف رضیہ جمیل

کا "ساگر دریا بادل بوند"

کے بہترین مشہور معروف ناول

اک گروہ صرف کا

لب کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

☆ خوبصورت سرورق

☆ مضبوط جلد

☆ آفٹ ہیپر

قیمت صرف = 300/- روپے

کتاب منگوانے کے لیے

آج ہی = 330/- روپے

کاشی نگر ڈسٹریکٹ ڈرافٹ

اور سال فرمائیں۔

ملے کاچ

مکتبہ عمر ان ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی

تھی کہ سامنے سے آتے نماز حیدر پہ بھی نظر نہ پڑی۔
"نجان بننے کی عادت نئی ہے یا پرانی؟" وہ سائیڈ
سے گزرنے لگی تو وہ عین نگاہوں کے سامنے آکر طر
سے گویا ہوا۔ اسے غیر متوقع طور پر سامنے دیکھ کر وہ
لٹھک گئی۔ جبکہ نظر اندازی کے تعظیم مظاہرے پہ
بلانے کے خود سرخ و خورشید نماز حیدر کے اندر ایک آگ
بھڑک اٹھی تھی۔
"السلام علیکم۔" اس نے سنبھل کر اٹھو سے
سلامتی بھیجی۔

"والسلام شکر ہے آپ تو آداب سے واقف ہیں۔
ورنہ آپ کے بھولنے تو کوئی کی بھی نہیں چھوڑی
تھی۔" وہ ایک دم سے لب لہجہ لگی۔ وہ ان بچوں
اندازی عادی نہیں تھی۔ آج تک کسی کلاس قیلونے
اس کی شخصیت کے گرد مضبوط حصار کو توڑنے کی
کوشش نہیں کی تھی۔ اس کا لب و لہجہ اتنا سیٹ اور
دو ٹوک ہوتا تھا کہ ان کی ہمت جواب دے جاتی تھی۔
نماز حیدر کو رعایت اس لیے حاصل تھی کہ وہ اس کی
عزیز دوست کا بھائی تھا۔

"ذریں نے بتایا تو ہو گا آپ کے گھر میں ہماری کتنی
عزت افزائی ہوئی؟" اس کے مسلسل طنز اس کی
صبر پیمالی پہ ناگواری کی لکیریں گہری ہونے لگیں۔
"نہیں اس نے مٹانے کی ہانک بھی کوشش نہیں کی۔
"مگر آپ طنز کی روش چھوڑ کر سلیس لفظوں میں
بات کریں تو مجھے جواب دینے میں آسانی ہوگی۔" اس
کے بڑے نقوش دیکھ کر وہ دھیمہ بڑ گیا۔ "آپ کے بھائی
نے صاف انکار کر دیا ہے مگر میں آپ کی رائے جانتا
ہا ہوتا ہوں۔ کیا مجھ میں کوئی کمی ہے؟" تنوی بلبو چیز
یکٹ میں بلبوس ڈھنگ شخص پہ اس نے اچھتی نگاہ
الی۔ مقابل کی سنہری آنکھیں غور کے نشے میں چور
اس کی نیلی نگاہوں میں گہری خوب نازاں دکھائی دے
رہی تھیں۔ نظریں پھیر کر اس نے شدید رنگ بالوں کی
اون کو شہادت کی انگلی سے پرے کیا۔ اُسے ہاتھ سے
اٹکلی سینے سے چپکائے سیدھے ہاتھ سے شولڈر پہ
لگے بیک کے اسٹریپ پکڑے وہ بڑی پراعتو نظر آ رہی

مگر تمہیں بھی بھوت سوار تھا۔ باتوں باتوں میں "میں نے
تمہیں کئی بار سمجھانے کی کوشش کی کہ ہمارے ہاں
ذات میں شادی نہیں کی جاتی۔ یہاں اس معاملے میں
کوئی کھپوہواز نہیں کرتے۔ میری قسمت اچھی
ہے۔ جو ابھی تک بچی ہوئی ہوں۔ ورنہ ہمارے ہاں ام
عمری ہی میں شادی کر دیتے ہیں۔ لڑکیوں کی تعلیم کا کوئی
تصور سرے سے ہے ہی نہیں۔ چاکو بیٹی کی بڑی کردہ
تھی۔ شاید مجھ سے اتنی زیادہ نرمی وہ اسی لیے برکت
ہیں۔ مجھ سے محبت اپنی جگہ مگر اصولوں سے بغاوت
کرنے والے ان کے دشمن ہوتے ہیں۔ خواہ وہ ان کی
عزیز بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔" وہ پیل بار اپنی فیملی کے
بارے میں ٹھل کر بول رہی تھی۔ جس میں ذریں کے
بہت سارے سوالوں کے جواب تھے۔ "تم مجھے اس
آنے کے بارے میں بتاتیں تو میں تمہیں روک
دیتی۔" اس کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔ وہ بھائی مزان
آشنا تھی۔ یقیناً ان کا رویہ درست نہیں ہو گا اسے
پیاری ہی دوست کی ناراضگی اور بی جان بلیا جان کی
بے عزتی پہ ندامت ہونے لگی۔

"سوری ذریں۔ جو کچھ ہوا میں اس کے لیے سخت
شرمندہ ہوں۔" وہ حواس فطرت رکھتی تھی۔ مگر
ذریں بہت غصے میں تھی۔ ہم صرف اک عرضی سے
کر گئے تھے انکار کا سوال ہی نہ تھا کیونکہ نماز حیدر
وان آف دایسٹ ہے۔ ہمیں ڈھونڈنے سے نہ ملے
گا ایسا پارنر تمہارا رہے یا نہ بہت سلسلے کی ہماری
آرام و سہولت سے بھی بات ہو سکتی تھی۔ ہمیں ہاں
زیل و خوار تو نہ کرتے۔ "مادران اس میں رہنے کے
باوجود تمہارے بھائی کی سوچ بہت کمزور رہی ہے۔"

"شٹ اپ ذریں۔ میرے بھائی کو برا کہنے کا تم کوئی
حق نہیں رکھتیں۔ میں نے تم سے دوستی کی ہے۔ تم
سے جڑے لوگوں کی بے عزتی کا لائنس نہیں دلاؤ۔"
کتنی دیر سے وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی
پھر اس کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ کامن روم سے باہر
گئی۔ جانتی تھی کیا کو مس بی ہو نہیں کرنا چاہیے تھا
لیکن وہ کیا کر سکتی تھی؟ اپنی سوچوں میں کھم چلی ہمارا

سب کو بھائی کا انتظار تھا۔ پہلے تم سے ذکر اس لیے
نہیں کیا کہ کہیں بھائی کوئی خیم لے آئے تو ہمیں کیا
جواب دیں گے۔ مگر میرا بھائی کردار کا پکا ہے۔ اس کے
قدم ڈنگائے نہیں۔ انہیں بھی تم بہت اچھی
لگیں۔"

"تو کل تمہارا بھائی مجھے دیکھنے کے ارادے سے آیا
تھا۔" وہ چراغیا ہو گئی۔ ذریں اس کے شدید رد عمل پہ
حیران تھی۔ "کیا ہم کسی اور ٹاپک پہ گفتگو نہیں کر سکتے
؟" اس کا لہجہ آکٹہٹ بھرا تھا۔ پھر آکٹرو جیٹر کی بحث
چھڑ جاتی۔ کبھی تو وہ ناراض ہو جاتی۔ کبھی واک آؤٹ
کر جاتی۔ ابھی وہ آرام کی غرض سے لیٹنے کا سوچ ہی
رہی تھی جب ملا کمرے میں داخل ہوئیں۔

"کشمش! آج ذریں کے ساتھ اس کے والدین اور
نماز حیدر گھر آئے تھے۔" بلا تمہید مانا لے کما تو اس
پاس خطرے کی ٹھنکی بج اٹھی۔ دل پوری قوت سے
دھڑکنے لگا۔

"تم باخبر ہو اپنی روایتوں کے معاملے میں تمہارے
بھائی کتنے سخت ہیں انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ ہم
خاندان سے باہر عزتوں میں شادی نہیں کرتے۔ مگر وہ
لوگ اڑے ہوئے تھے انکار کے باوجود اپنی بات
منوانے پہ تلے بیٹھے تھے نماز حیدر تو قرآن وحدہ کی
روشنی میں دلیل دے رہا تھا۔ کشش تمہارے چپا سمجھ
رہے ہیں کہ شاید تمہاری منشا۔"

"جیسے ملا اس میں قطعاً میری منشا نہیں۔ آپ
جانتی ہیں نا مجھے؟" اک اسی الزام سے وہ ڈرتی تھی۔ ملا
کی بات تلوار کی دھار کی طرح لگی۔ ملا مطمئن ہو کے
مسکرا دیں۔

"مجھے تم پہ پورا اعتماد ہے۔" ملا جلی مٹی تھیں اور
اسے سوچوں کے گرداب میں چھوڑ گئیں۔ اگلے روز
ذریں کا موڈ سخت خراب تھا۔ استفسار پہ وہ پھٹ
پڑی۔

"کل ہمارے ساتھ تمہارے ہاں کوئی اچھا سلوک
نہیں ہوا۔"
"تمہیں سمجھانے کی میں نے اپنی سی سی کی تھی۔"

تھی۔ بھارتی حیدر کے اندر اسے پانے کی لگن جنون کا روپ دھارتی بھارتی تھی۔ اس کی بے نیازی خاطر میں نہ لائے والی اواز سے ذرا نہیں بھارتی تھی۔

”میری رائے یہاں سے مختلف نہیں ہے۔ فیصلہ میرا فیصلہ ہے۔ دیش کل۔“ جملہ مکمل کر کے وہ رکی نہیں اور بھارتی حیدر اس کے انداز پر جل بھی گیا۔

کچھ دن بعد اسے پھر معلوم ہوا کہ بھارتی حیدر کی جان اور بابا جان ایک بار پھر بوزل لے کر آئے ہیں۔ ان کی دوبارہ آمد یہاں مشکوک ہو گئی تھی۔ جسی رات بھارتی حیدر کی عداوت میں پہلی بار اس کی پیشی ہوئی۔ ”کشتش تم نے بھی ہمیں شکایت کا موقع نہیں دیا۔“ کبھی بھارتی عزت اچھالنے کی جرات نہیں کی۔ اسی لئے جب تم نے بوزل میں پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو ہم نے اجازت دے دی۔ تمہیں یاد ہے ناں ہم نے تمہیں یہ کہہ کر بوزل میں بھیجا تھا کہ ہمیں شرمندہ نہ کرنا۔ کبھی کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ ہمیں تمہاری پیدائش پر افسوس ہونے لگے۔

”جی بھارتی سب یاد ہے۔“

”پھر انکار کے باوجود بھارتی حیدر اور اس کے گھروالے دوبارہ کیوں آئے؟“ وہ اس سوال کا جواب کیا دیتی سو چپ رہی۔

”کیا تم بھارتی حیدر کو چاہتی ہو؟“ یہاں کے دنگ لہجے نے اس کے ہاتھوں کو تم کر دیا۔ شرم سے گر جانے کا مقام تھا۔

”بھارتی حیدر یہ تم مجھے کس مقام تک لے آئے؟“ اس نے دکھ سے سوچا اور جلدی سے ان کا شک دور کیا۔ ”ورنہ شاید شک نہیں میں ڈھل جاؤں۔ باپ بھائی کی عدالت سے رہا ہوئی تو اپنا آپ مجرم گئے لگا۔ مظلوم کو جب تک باعزت بری نہ کیا جائے وہ خود سے بھی شرمندہ رہتا ہے۔ اس کی بھی یہی حالت تھی۔“

”صور کچھ گز رہا ہے۔ ورنہ ایک بار کی بے عزتی کے بعد دوبارہ بے عزت ہونا کون پسند کرتا ہے۔“ بھارتی حیدر کی نگاہ میں نے دور تک دیکھا کیا۔ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی اسے شک کی نگاہ سے دیکھا جا رہا تھا۔

”بھارتی حیدر کی نئی نظریں انہیں تو اس کے قدم لڑکھا جاتے۔ ناز بھارتی کی جی اڑاتی آنکھیں۔ جی کو چلانے والے انداز اذیت سے دوچار کر رہے تھے۔ بس ایک لمبا کی آنکھ تھی جس میں سر رکھ کر وہ گدہ کرتی تھی۔“

”کشتش میں جانتا ہوں آپ مجھے ناپسند نہیں کرتیں۔ آپ کے بھارتی نہیں کر رہے ہیں۔“ بھارتی حیدر نے پھر راستہ روک لیا۔ تمہو مجھے ”بھارتی“ نے اس پر ایک ساتھ یلغار کر دی۔ وہ جتنا دامن بچا رہی تھی وہ خود رو کاٹنے کی طرح ہر بار اس کا دامن قہقہہ لیتا تھا۔ جب سے آیا تھا اسے لذت ہی دے رہا تھا۔ چھین سکون نیند برباد کر کے اس نے تماشا بنا دیا تھا۔ اب بھی اس کے انداز پر وہ کوٹ آف کنٹرول ہو گئی۔ ”بجائے انسان ناپسند نہیں کرتی تو آپ کو پسند بھی نہیں کرتی۔ میں چپ تھی آپ کی باتیں برواشت کر رہی تھی تو صرف ذہن کے باعث۔ مگر بھارتی میں جائے ایسی دوستی جس سے ذہنی اذیت ہو۔ کیوں میری راہوں میں آکر میری زندگی مشکل سے دوچار کر رہے ہیں؟ جب آپ کو جواب مل گیا ہے تو کیوں بار بار مجھے تک کر رہے ہیں؟ یہی جاننے کے خواہش مند ہیں کہ میں آپ کو پسند کرتی ہوں یا نہیں تو سن سچے ستر بھارتی حیدر مجھے آپ سخت ناپسند ہیں۔ دنیا لڑکیوں سے بھری پڑی ہے۔ کسی اور کا انتخاب کر لیجئے اور خدا را میری راہوں میں مت آئیے۔“ ذہن کے بیگانے بن لے غصہ تو پہلے ہی دلار کھا تھا مزید کسراس نے پوری کر دی تو وہ چپ نہ رہ سکی۔ بھڑک اٹھی۔

”پھر ہر راستہ تم پر ختم ہے۔ بھارتی حیدر نے بھی بھٹکا نہیں سکھا مس زوار جانتا ہوں دنیا و دوزن سے بھری پڑی ہے۔ مگر کیا کروں کہ نظروں کو تم بھائی ہو میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں بے تحاشا پہلے تم میری پسند نہیں اب اتنا بن گئی ہو۔ میں ان لوگوں کی فہم نہ میں نہیں ہوں جو دل میں حسرت و یاس کی قبریں بناتے رہتے ہیں۔ مجھے آرزوؤں کو مکمل گلاب کھانا آتا

ہے۔ ہمیں گھر سے بے عزت کر کے نکالنے والے تمہارے بھارتی خود تمہارا ہاتھ مجھے سونپیں گے دیکھ لینا ان نگاہوں سے کشتش زوار! تمہیں اپنا نہ بنایا تو اپنا دوزخ ہی صفحہ ہستی سے مٹا دوں گا یہ وعدہ بھارتی حیدر کا تم سے۔“ پھر وہ رکائیں۔

”اک بل کو اسے ڈر لگا تھا مگر اگلے ہی بل سر جھٹک کے آگے بڑھ گئی۔ تین چار روز بھارتی کڑے تو اس کی دھمکی اسے محض دھمکی ہی لگی۔ بھارتی کو جلدی تھی وہ اسے گیت سے تھوڑا آگے ہی ڈراپ کر کے چلے گئے۔ فائل سینے سے لگائے وہ قدم اٹھا رہی تھی۔ ”آنا“ فائز رفتار نویوٹا کے دروازے کھلے اور بھائی کی سی تیزی سے وہ لڑکوں نے اسے اندر کھینچ لیا۔ حواس اس بری طرح مختصر گئے تھے کہ جیتنے چلانے یا مدد کے لیے بلانے کا موقع نہ ملا۔ حواس ذرا بحال ہوئے تو اس نے جتنا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں کھور و قوم سے بیگا رومل اسے ہوش سے بے گانہ کر گیا۔ آنکھ کھلنے کی سانسے چیخ رہا حیدر کو آرام وہ اسٹائل میں بیٹھے دیکھ کر وہاں چل ہی تو گئی۔

”اقول۔“ یہ لفظ ہی اتنا بھارتی تھا کہ اس کی روح پکپکاتی۔

”میں شرمیں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟“ کتاب پر سکون انداز تھا اس کا۔

”کیوں لائے ہو مجھے یہاں؟“ مجھے گھر جانا ہے۔“ وہ سک اٹھی اور اپنی خواہش پر گھر تو وہ آگئی تھی خود بھارتی حیدر اسے ڈراپ کر کے گیا تھا۔ مگر واپسی کی مدت بھارتی قیمت چکانا پڑی تھی اسے۔ لڑکی کے ساتھ اس کی عزت و آبرو بھی ستر کرتی ہے۔ بھارتی حیدر نے اک کی شرط رکھی تھی کہ اگر وہ صحیح سلامت واپس جانا پاتی ہے تو اسے اس کی بات ماننی پڑے گی ورنہ اسے بھارتی حیدر سے کھانا کھائے اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس کے آنسو۔ التجا میں اس کے دل کو موم نہ کر سکتے۔ وہی ہوا جو وہ چاہتا تھا یا جس کا اس نے انتظام کر لیا تھا۔ نکاح سے پہلے سائن کرتے وقت وہ بھارتی حیدر کے شرمندہ اس گنہگار کی معافی مانگ رہی تھی جو اس نے

کیا ہی نہیں تھا۔

”مجھ کو بھارتی چھوڑ کر گئے تھے تو وہ کشتش زوار تھی۔ مگر اب کشتش بھارتی بن گئی تھی۔ لہذا میں جیسے اس نے صدیوں کا سفر کر لیا تھا۔ کشتی کنزور ہوئی ہے عورت مروجہ چاہے وہ بن جاتی ہے۔ بدنام کلیوں میں کہیں ان کی دل بھنگی کا سامان بن جاتی ہے تو کہیں اپنا نام عورت کے نام کے ساتھ جوڑ کر وہ اس کا بھارتی خدا بن بیٹھتا ہے۔ پھر ذرا نقد بد لٹا ہو تو معصوم بھولی لڑکیوں کو درفلا کر دوست بن بیٹھتا ہے۔ کیا کسی غیر محرم سے دوستی جائز ہے؟ مگر مرد صرف اپنے فائدے کی بات سوچتا ہے۔ اسے عورت کے خسارے سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اس میں شاید اللہ نے زبیاں کا احساس بھی نہیں ڈالا کہ وہ کسی عورت کو روند تے تو اس کے احساسات و جذبات میں کوئی آگ دیکھ اٹھتی ہے۔ وہ بھارتی کب تک رونی رہتی ملا کی آمد نے اسے آنسو پونچھنے پر مجبور کر دیا۔

”کھانا لگ چکا۔“ تم نے ابھی تک چھینچ نہیں کیا؟ طبیعت ٹھیک ہے۔“ سترے چہرے کو ملانے بڑی فکر مندی سے دیکھا تھا۔

”سر میں درد ہے۔“ اس نے فوراً ”بھارتی گھڑ لیا اور بچ بھی تھا۔ بھارتی حیدر کے عمل نے تو اس کے سارے وجود میں درد بھڑوایا تھا۔ اسے جسم پھوڑے کی طرح دکھتا محسوس ہو رہا تھا۔

”اتنی بڑی ہو گئی ہو مگر بچوں کی طرح بیماری میں رونے والی عادت نہ کی تمہاری۔ میڈیسن لے لیتیں تو اب تک آرام بھی آجاتا چلو اٹھو تھوڑا سا کچھ کھاو پھر میڈیسن کی بھاری آئے گی۔“

”مجھے بالکل بھوک نہیں ہے ملا۔“ وہ انکاری تھی۔ دل پہ جبر کر کے ملا کی بات مان بھی لیتی تو ناز بھارتی کی معنی خیز نظریں اسے پھر سے اوچھڑنے لگتیں۔ ملا کھانا کمرے میں لے آئیں۔ بچ پہ صرف وہ تینوں ہی ہوتی تھیں۔ ناز بھارتی ڈانٹتے کر رہی تھیں تو ملا کھانا کمرے میں لے آئیں۔ بے حد اصرار پہ اس نے چند نواسے لیے تھے۔ ملا سے اس کی دگرگوں حالت چھپی

نہ رہ سکی۔ انہوں نے استفسار بھی کیا تو وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکی۔

شام نے رات کی بانہیں تھام لی تھیں مگر وہ اپنے کمرے میں بند تھی۔ سوچ سوچ کے دل میں ٹپسنے لگی تھی۔ آنے والے وقت کا خوف ڈھنسی دھاؤ نے نہ بچ کر شکل اختیار کر لی تھی۔ صبح وہ بخار میں تپ رہی تھی۔ بھیا بھیا آتس جاتے تھے ملانے کیلئے ڈاکٹر کو کال کر لیا تھا۔ وہ اپنا فرض ادا کر کے جا چکے تھے۔ اما اسے زبردستی جوس کے ساتھ میڈیسن دے رہی تھیں۔ تازہ بھابی کی کھوجی نظریں زرد چہرے پر گڑی تھیں۔ میڈیسن کے زیر اثر نجانے کب تک وہ دنیاوی سوچوں کی یلغار سے بچی رہتی۔ دروازے پر مسلسل ہونے والی دستک نے اسے شعور کی دنیا میں لا کھڑا کیا۔

”دروازہ کھلا ہے۔“ آواز نفاہت سے پر تھی۔
”بی بی آپ کو بڑے صاحب کیسٹ روم میں بلا رہے ہیں۔“ ملازمہ چھلویے کی طرح پیغام رسائی کا فریضہ انجام دے کر جا چکی تھی۔ وہ خود میں اٹھنے کی سکت نہیں پارتی تھی مگر بھیا کا پیغام تھا۔ سوانح کھڑی ہوئی۔ وہاں کان کا سوٹ شکنوں سے پر تھا۔ زرد چہرہ نفاہت و کمزوری کا اشتہار بنا ہوا تھا۔ اچھے بالوں کو انگلیوں سے ستوار کر کھچو میں مقید کیا۔ وہاں آؤ گندھی کا روپہ سر پہ لے کر وہ کمرے سے نکل گئی۔ گھر میں غیر معمولی خاموشی طاری تھی۔ اس کے اندر خود اتنے شور مچا تھا کہ اسے فضا کی خاموشی کا احساس تک نہ ہو سکا۔ وہ حقیقتاً اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ اس نے اک لمحے کو نہیں سوچا کہ یہاں اسے کیسٹ روم میں کیوں بلایا ہے؟ مگر اسے نہیں پرہیزگار اس نے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ سب سے پہلے تازہ بھابی کی استہزائیہ مسکراہٹ پر اس کی نظریں پڑیں تو چونک گئی۔ ان سے دروازے کے مالک چلتی اپنی انگلیاں مسل رہی تھیں۔ سب سے پہلی ان کے ہر انداز سے عیاں تھی۔

پھر اس کی نظریں بھیا اور بھیا کے چہرے پر پڑی تھیں۔ دونوں کے چہرے پر ناظم تاثرات تھے۔ پھر اس کے حواسوں کو کئی ہزار وولٹ کے جھکے لگے۔ کافی گہری زبردستی ہی ڈرنگ کے شان سے صوفوں پر ہالہ پھیلائے ٹانگ پر ٹانگ موڑے مسکراتی نظروں سے یہاں حیدر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک دم سے لڑکھڑا گئی۔ پردے پر ہاتھ کا دباؤ مزید بڑھ گیا۔ وہ سخت خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ بی جان اور بیبا جان سر جھکائے بیٹھے تھے۔

”کشمش!“ بھابی ڈنگ آواز گونجی وہ تھرائی۔
”یہاں حیدر ہو کہ رہا ہے کیا وہ درست ہے؟ کیا تم نے اس سے نکاح کر لیا ہے؟“ اس کھڑی بھابی کا چہرہ سیٹ تھا۔ محبت کی چادر اٹھ چکی تھی۔ وہ لب لبول گئے رہ گئی۔ وہ جس وقت سے ہول رہی تھی وہ آپکا تھا۔

”حضور نکاح نامہ آپ کے سامنے ہے۔ پھر بھی اس قسم کا سوال؟ غور سے دیکھ لیں اس میں کل کی تاریخ درج ہے۔“ کیسی فصیح مندی تھی یہاں حیدر کے آنکھ آنکھ میں مسکراہٹ وہ مسلسل انہیں چاہ رہا تھا۔ اس کی بے بسی کا مذاق اڑا رہا تھا۔
”تم اپنا منہ بند رکھو۔“ بھیا غراٹے۔ اس نے جھٹ لیں۔ انگلیاں رکھ لیں۔ اس کے انداز پر بھیا آٹے سے باہر ہو گئے بھیا نے تنبیہ کرنے کے اشارے سے انگلی اٹھا کر انہیں خاموش رہنے کو کہا۔
”میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے کشمش۔“ بھابی کے لب و لہجے میں بے حد اجنبیت تھی۔ سب کی نظریں اس کے کپکپاتے وجود پر جمی تھیں۔ اس کا نامی تھا یہاں سے کیس دور بھاگ جائے۔

”جواب دو کشمش۔“ بھیا کی خشک آواز منہ ہر اسان کر گئی۔

”مورا جمل سے شائق۔“ ملانے جیسے انتہائی بے یاریوں عدالت میں دیکھ کر ان کا جی گھبرا رہا تھا۔ دل اس کی دگرگوں حالت ان کے سامنے تھی۔ وہ وہاں تھیں کہ کشمش انکار کر دے کہ یہاں حیدر ہو کہ نہ ہو۔

صفائی وہ جو نظر آئے

پہلا ہی برش فرق دکھائے

سوڈاوائٹ ٹوٹھ پیسٹ

مٹاؤ اور شفاف بلکہ

لگتے دیکھتے دانت صرف

سوڈاوائٹ ٹوٹھ پیسٹ سے

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

ہے بھوت ہے۔
 "کشت ہمارا ضبط مت آزماؤ۔" اس کی خاموشی
 بیا کو ذرا رہی تھی۔ انہیں امید تھی عزیز بچی انکار کر
 دے گی اور پھر وہ یماز حیدر کا وہ صوفی ہستی سے مٹا
 دیں گے۔ جوان کی بات اور اصولوں کو روکنا چاہ رہا تھا۔
 "بھاکل جب بھیا مجھے چھوٹ۔"
 "صرف یہ بتاؤ نکاح ہو چکا ہے۔" بھانے بات
 کافی۔

"میں وہی بتانے جا رہی ہوں کہ کل۔"
 "صرف ہاں یا نہیں۔" اس کا حوصلہ بکھرتا جا رہا تھا
 صفائی کا موقع دے بغیر بھیا ہم پر رہے تھے۔
 "آپ میری بات تو سن لیں۔" روپائی ہو گئی۔
 "کوئی فائدہ نہیں ہے انہیں کچھ سننے کا میں آک
 کھنے سے انہیں کد رہا ہوں کہ کل ہم نے گوہوں کی
 موندگی میں انہیں قبول کا فریضہ انجام دیا ہے۔"
 وہ آنکھیں پھاڑے یماز حیدر کو گھور رہی تھی۔ اس کا
 انداز کتنی غلط کہانی کا عنوان درج کر رہا تھا۔ اس کا انداز
 یہ ثابت کر رہا تھا کہ اس عمل میں وہ برادر کی جیسے وار
 ہے۔ اس نے بات کچھ اس انداز میں کی تھی کہ بھیا اور
 بھیا کی اتنا یہ بن آتی تھی۔ وہ کشش کے منہ سے انکار
 سننے کے خواہشمند تھے اس کا دل چاہا اس کے خوب
 صورت چہرے۔ یہ تھنوں کی پارش کر دے۔ سرعام
 کوڑے لگائے سندھ کر دے۔

"یماز خدا را تم تو چپ کرو۔" بی جان نے ناگواری
 سے کہا۔ وہاں روایتی سے چہرہ جھلٹا رہا۔
 "زوار صاحب بات سمولت سے بھی کی جا سکتی
 ہے۔"
 "انکل پلیز چپ رہیں ورنہ بات بڑھ جائے گی۔"
 آپ کے بیٹے نے تو سمولت ہی برتی ہے۔" بھیا
 اشتعال میں آگئے۔
 "میں میرے بابا جان سے اس طرح بات کرنے
 کا کوئی حق نہیں۔" یماز پھر گیا۔

بھیا نے خود کو یکسر اجنبی مان لیا۔
 "بھیا۔"

"شکر ہے تم ہوش میں تو آئیں کیسی ہو؟" اس کا
 ہاتھ تھا کہ زریں اس کے سامنے تھی۔
 "تو کیا یماز حیدر اسے لے آیا؟" یہ خیال بھی اتنا
 نفرت انگیز تھا کہ اس کی رگیں تن گئیں۔ اس نے
 جھٹکے سے اپنا ہاتھ زریں کے ہاتھ سے چھڑایا۔ وہ
 شرمسار نظر آنے لگی۔

"سوری کشش جو بھی ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے
 تھا۔ تمہارے بھاکے باعث میں تم سے ناراض تھی۔
 مگر تمہارے ساتھ ایسا کرنے کے بارے میں سوچ بھی
 نہیں سکتی تھی۔ پاپا جان کی جان کسی کو یماز بھائی نے
 انعام نہیں کیا ہمیں لا علم رکھ کر جب ہمیں لانے
 کی بات کے ساتھ نکاح کی اطلاع دی تو دونوں نے
 انہیں بہت برا بھلا کہا۔ وہ کی طور ہمیں لانے کو تیار
 نہ تھے۔ انہیں بھائی پر غصہ تھا۔ جب وہ اکیلے تھیں
 لانے کو اٹھ کھڑے ہوئے تو بھیا جان اور بی جان بھی
 ساتھ چل دیے کہ معاملہ سلجھا آئیں گے۔"

"بند کر دیہ تقریر بھول جاؤ کہ میں تمہاری دوست
 کشش زوار ہوں یاد رکھو تو صرف اتنا کہ تمہارے
 جینٹل ڈن آف داسٹ بھائی نے میری عزت کا
 سودا کر کے مجھ سے نکاح کر لیا۔ سائن کروایا۔ میری
 مٹی پاپ بھائی کے سر جھکا کر مجھے یہاں لے آیا اور
 اب تم سوچ رہی ہو کہ تمہاری بیا اس بن کر تم لوگوں کو
 معاف کر دے گی۔ تم لوگوں نے کشش زوار سے
 مقابلے کی ٹھانی ہے۔ جینا وہ بھر کر دے گی میں تم لوگوں
 کا۔" بولتے بولتے چکر آیا تو وہ سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔
 "مجھے تمہاری کوئی بات بری نہیں لگی۔ تم ہر طرح
 کا رویہ رکھنے کی مجاز ہو۔" زریں ہمدردانہ نگاہوں سے
 اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے حق بجانب گردان رہی
 تھی۔ احساس و جذبات پہ کاری وار ہو تو ہر ذی ہوش کا
 دل اٹ سکتا ہے۔ ورنہ اندر داخل ہوتے ماحول
 کی سرو فضا کو محسوس کر لیا۔ نظروں ہی نظروں میں اس
 نے زریں سے استفسار کیا وہ بے چارگی سے لب چلتی
 رہی۔

"میری کشش جو بھی ہوا اس پر ہم جتنی بھی معافی مانگیں تم
 ہے۔ یماز کی حرکت ہمیں بھی بری لگی ہے۔ ہماری دلی
 آرزو تھی تم اس کے نام سے جو کرنا ہمارے درمیان
 آؤ۔ مگر اس طرح ہم نے کبھی نہیں چاہا۔ تم یہ مت
 سمجھنا کہ یماز ہمارا ہے تو ہم اس کی طرف ذرا ہی گریں
 گے۔ بیا جان بی جان حیدر میں زریں ہم سب
 تمہارے ساتھ ہیں۔ تم خود کو تنہا مت سمجھنا۔ ہم مزید
 یماز کو تمہارے ساتھ نا اعلانی نہیں کرتے ہیں گے۔"

وینا اسے سمجھتے ہوئے دھیمے سروں میں سمجھا رہی
 تھی۔ اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ پھنس گیا۔
 کوئی بی بی ایسے رخصت ہوتی ہے پاپ کے گھر سے
 جیسے اس کی رخصتی ہوئی ہمیں کا لڑکی کا غور و خور ہوتا ہے
 اور یماز حیدر نے اس سے یہ غور پھین لیا تھا۔ بھانے
 اس یوں رخصت کیا تھا جیسے لہ میں اتارنے کا ارادہ
 ہو۔ یماز حیدر کے عمل نے اسے لہ میں تو اتار ہی دیا
 تھا۔ زریں التجائیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اور
 وینا اسے پیار سے میڈیسن کھا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی
 جو جنگ اس نے لڑی ہے اس کے لیے اسے تندرست
 رہنا بہت ضروری ہے۔

استیکس اور جوس لے لو پھر میڈیسن کھاؤں گی۔
 ڈاکٹر ابھی چیک اپ کر کے گیا ہے۔ بہت کمزور ہو گئی۔
 وینا نے دوستانہ انداز میں بڑے بیڑ پر رکھ کر اس کی
 طرف دیکھا۔ اس کی زور و نکت پہ انہیں نے سرے
 سے غماز نہ کیا۔

"توشیائش۔" وینا نے فریض جوس کا گلاس اس کے
 لبوں سے لگا دیا۔ وہ گلاس دور پھینک دینا چاہتی تھی۔
 زریں کی طرح اسے بھی کھری کھری سننے کا ارادہ
 رکھتی تھی مگر اس کے چہرے پہ درج تاثرات نے زبان
 تلو سے لگا دی۔ چند سپ لے کر اس نے گلاس
 پرے رکھ دیا۔

"کشت جو ہوا اس پر ہم جتنی بھی معافی مانگیں تم
 ہے۔ یماز کی حرکت ہمیں بھی بری لگی ہے۔ ہماری دلی
 آرزو تھی تم اس کے نام سے جو کرنا ہمارے درمیان
 آؤ۔ مگر اس طرح ہم نے کبھی نہیں چاہا۔ تم یہ مت
 سمجھنا کہ یماز ہمارا ہے تو ہم اس کی طرف ذرا ہی گریں
 گے۔ بیا جان بی جان حیدر میں زریں ہم سب
 تمہارے ساتھ ہیں۔ تم خود کو تنہا مت سمجھنا۔ ہم مزید
 یماز کو تمہارے ساتھ نا اعلانی نہیں کرتے ہیں گے۔"

"اوہو! جان دشمنی باہوش و جواس ہیں کیا حال
 ہیں سبز یماز حیدر؟ سسرال میں خوش آمدید۔" وہ اندر
 داخل ہوا اسے چاق و چوبند دیکھ کر اس کی آنکھیں
 روشن ہو گئیں۔ وہ اسے بغور دیکھنے لگی۔ بڑے بڑے

فلج جب جنگ جیت کر آتے ہوں گے تو ان کے چہرے پر بھی جیت کا عمر اسی طرح بکھرا ہوتا ہو گا جیسے اس وقت فتح مندی کے رکھوں نے اس کا چہرہ روشن کر رکھا تھا۔

”تمہاری اس جیت کو میں نے ہار میں تبدیل نہیں کر دیا تو فنا کروں گی خود کو۔ میں نے کبھی کسی کی ہار کی نہیں چاہی مگر تم خود مجھے گھیت لائے اب تو چین اس وقت آئے گا جب تمہارے چہرے پر بار دیکھوں گی۔“ اس کے اندر اک آگ جل اٹھی تھی۔

لی جان کافی دیر اس کے پاس بیٹھی رہی تھیں بے حد معذرت خواہانہ انداز تھا ان کا۔ پایا جان حیدر نے اس سے شرمساری کا اظہار کیا تھا۔ میا کی حرکت پر ہم تھے اس کے خیر خواہ تھے اور وہ جس نے چند گھنٹوں میں طے کیا تھا کہ ان سے بھرپور نفرت کرے گی انہیں چین سے جینے نہیں دے گی۔ ان کی محبت سے ہارنے لگی۔ سب اس سے معافی کے خواستگار تھے مجرم نہ ہونے کے باوجود اور جو مجرم تھا وہ کھلا پڑ رہا تھا وہ چاہنے کے باوجود بھی ان سب سے بد تمیزی نہ کر سکی۔ اس لیے کہ ماننے اس کی گھٹی میں بیوں سے بد تمیزی کی کن نہیں ڈالے تھے۔ جب وہ سب خود کو مجرم گردان رہے تھے تو ان کو اور شرمندہ کیا کرتی۔

”تو پھر یہ طے پایا میا حیدر کہ میری نفرت کے تم اکلوتے حقدار ہو۔“ وہ کارس یہ پڑی اس کی بڑی سی تصویر کو نفرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”یہ چند سوٹ تمہارے لیے منگوائے ہیں۔“ دینا نے چند لباسات اس کے سامنے کیسے باقی حصہ گول کر گئی کہ لی جان نے میا حیدر کو بھیج کر منگوائے ہیں۔

”مہر پہ تو اب نارمل ہے شاور لے کر پیچ کر لو۔“ اپنے حیلے کی ابتداء کا اسے بھی احساس تھا سو خاموشی سے واش روم میں چلی گئی۔ کچلے بالوں کو جھٹکتے

اسے میا حیدر کی حرکت پر شک لگا تھا۔ عزیز دوست کے ساتھ بھائی کی زبردستی آچھی نہیں لگی۔ مگر یہ اس نے نکاح کا ساتھ کافی سن کر کے سنایا تھا۔ مگر ہر صاحب دماغ سوچ سکتا ہے کہ ایک لڑکی کہاں مجبور ہو سکتی ہے اس کی امان کہاں ہار مانتی ہے۔ پھر کشش کے لفظوں نے اسے میا حیدر سے مزید بر گشت کر دیا۔ وہ کشش کو حق بجانب سمجھ رہی تھی۔

رات کے کھانے کے بعد لی جان اک بار پھر اس کے بید روم میں چلی آئیں۔ اسے کھڑے کھڑے چلے میں دیکھ کر دھیروں دھواؤں کے ساتھ نظر اتاری تھی۔

”آپ کے بیٹے کی نظر لگ گئی میں شاخ سے گل کی طرح ٹوٹ کر گر پڑی ہوں اب کس کی نظر لگے گی لی جان؟“ تلخ مسکراہٹ کے ساتھ وہ چپ رہی۔ لی جان نے کہا تھا وہ چاہے تو وہ میرے کمرے میں شفٹ ہو سکتی ہے ورنہ میا کو روم بھیج کر کہہ دیں گی۔ وہ جانتی تھیں اس کے اعصاب پہلے ہی تڑو کا شکار ہیں۔ شیشے کے لیے تھوڑا وقت درکار تھا۔ جبکہ میا حیدر مرد تھا اور مرد کو عورت کے سینے کے اندر موجود دل کی پروا نہیں ہوتی۔ اسے اپنے جذبات و احساسات کی فکر رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس سے زور زبردستی سے بھی در لٹ نہ کرے اسی سبب انہوں نے استفسار کیا اور اس کا جواب سن کر متحیرہ لگیں۔ اس نے بلا جھجک کہا تھا وہ دونوں اسی روم میں رہیں گے۔ لی جان جب وہ گئیں۔ وہ اس کا پھلا چاہ رہی تھیں جبکہ اس نے انعام کا روپ دھار لیا تھا۔ بھیا کی بے اعتنائی نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ بھیا کی بے اعتباری نے دل میں گھاوا لگا دیا تھا۔ اسے یہ احساس مارے ڈال رہا تھا کہ جس آئین میں اس نے بائیس سال گزارے وہی ایک لیل میں پرایا ہو گیا۔ جن کینوں کے ساتھ لہو لہو کر رہا انہوں نے ہی بے اعتبار کیا۔ اس کی ذات کئی حصوں میں منقسم ہو چکی تھی۔ وہ بے اعتبار تھیں۔ اس کے دامن میں درگ لگ گیا تھا۔ ان غور پر نہیں کیا تھا باپ بھائی کی نظروں میں گر چکی تھی۔ کس کی

ایما حیدر نے اس کے سر سے اعلیٰ کی چادر اتاری تھی اور عورت چادر اتارنے والے کو معاف نہیں کرتی۔

اس نے مل بھر میں اپنی ذات کے ٹکڑوں کو اکٹھا کیا تھا۔ وہ اتنا بڑوں لوگوں میں سے نہیں تھی جو ہر کھا کر یا پھند اڈال کر زندگی کی ماہی سے نجات حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ خود کشی پر مجبور کر دینے والوں میں سے تھی۔ میا حیدر کے بید روم میں رہنا بھی اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ وہ قریب دو کر بھی دو رہنا چاہتی تھی۔ سمندر بن کر اسے پیاسا رکھنا چاہتی تھی اور پیاس کی طلب اس وقت شدید ہوتی ہے جب سمندر نظروں کے سامنے ہو۔ اس وقت شعلہ کی حد سے سوا ہوتی ہے۔ طلب اور رسد کا یہ کھیل بہت پرانا تھا۔ کشش زور میا حیدر کو پیاس کا صحرا کر دینے کا ارادہ رکھتی تھی۔

Do you Love me

واش روم سے پانی کرنے کی آواز آرہی تھی جو اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ وہ اندر ہے۔ وہ بند ہے۔ بندہ تھی۔ چند ثانیے بعد وہ

”ہمارے ملن کی پہلی رات ہے۔ میں بید روم میں آیا تو خبر ہوئی کہ ”مخترمہ“ گمان کی لپائی چوڑی معلوم کر رہی ہیں سو فریض ہونے چاہیے۔ تولیہ سے بالوں کو دگرتے ہوئے اس کا انداز نگاہ دہرا تھا جیسے برس برس سے ان کے بائیں محبت بھرا تعلق ہو۔ اسے ذرا مائل نہیں تھا اپنے کیے کا۔ اس نے سلتی نظروں سے اس بے حس شخص کو دیکھا۔ پل رگڑ کر اس نے ٹالوں اس کی طرف اچھال دیا۔

”کیا بے ہوشی ہے یہ؟“ وہ بچنے بچنے انداز میں چینی۔

”اب تم مسز بن گئی ہو تو جان لو میں بہت پھیلاوا پھیلائے والا بندہ ہوں۔ تمہیں خوب مصروف رکھوں

گا۔ پھر تو میرے بچے تمہیں خود ہی مصروف کر دیں گے۔ خبردار جو تم نے مجھ سے زیادہ انہیں اہمیت دی۔ آخر جان جو کھوں میں ڈال کر حاصل کیا ہے تمہیں۔ اتنا تو حق بنتا ہے میرا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟“ اس نے بالوں میں برش کرتے ہوئے وہ اس کا خیال جاننے کا خواہش مند تھا۔ وہ فطری شرم و حیا کو کنٹرول کر کے اس کی فضول گوئی سن رہی تھی۔ ”آپ جانتے میں بھی غالباً خواب دیکھنے کے عادی ہیں۔“

”بجا فرمایا تم میری آرزوؤں کا خواب ہو اور میں تمہیں جانتے جانتے ہوئے ہی دیکھ رہا ہوں۔“ بلاشبہ وہ لفظوں کا کھلاڑی تھا۔ برش رکھ کر مسکراتے ہوئے پلٹ آیا۔ پھر اس کے مقابل بندہ۔ پچھلک اس وقت وہ گرے شلوار سوٹ میں سنہری آنکھوں میں شیشیاں لیے اسے سخت زہر لگ رہا تھا۔

”آپ بھی لگ رہی ہو۔ ریڈ لکڑ کی قسمت دگادی تم نے سوٹ سلیکٹ کرتے امداد نہیں تھا کہ تم ان کپڑوں میں اتنی اچھی لگو گی۔ ایک چھوٹی قمیضی مسز ہو نا سو کوئی تجربہ نہیں ہے مجھے۔“

”یہ سوٹ آپ لائے ہیں؟“ وہ پھر گئی۔ اس نے معصومیت سے سر اٹھاتے میں ہلایا۔

”کو تو تو تنگ کی رسید دکھاؤں؟“ اس نے دوپٹہ شانوں سے نونچ کر گولہ بنایا اور میا حیدر کے منہ پر دے مارا۔ سوٹ پہنچ کرنے کے خیال سے تن فن کر گئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ چند قدم ہی چلی گئی جب شیشے نے اس نے اس کی کلائی تھام لی اور اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس کی پشت اس کے سینے سے جا لگی۔ اس کے وجود کے گرد وہ نون بازو حائل کر کے شانے پہ ٹھوڑی نکالتے سرگوشی کی۔

”میرے لائے کپڑوں سے اتنی نفرت کہ فوراً پہنچ کر نے اٹھ کھڑی ہو میں۔“

”چھوڑیں مجھے۔“ اس نے سختی سے کلمہ جودرجہ قربت سے حواس باختہ کر رہی تھی۔

”چھوڑو۔“ اس نے چپچپایا وہ اس کی بے چینی پر مظلوم ہو رہا تھا۔ مارے فحشے کے اس نے چہرہ موڑ کر

میں کے دائیں شانے دانت کا ڈوب رہا تھا۔
 "مائے گد میں۔" جس کی گرفت خود بخود چلی پڑ
 گئی۔ وہ سرعت سے حصار توڑ کر نکل گئی۔
 "تمہارے زور لگانے کے اشارے سے سمجھتا رہا کہ
 جوڑو کراسے میں ہلکے ہلکے رکھی ہے کیا خبر بھی
 ملی کی طرح دانت بھی گاڑ دیتی ہو۔" گریبان کے یمن
 کھولتے ہوئے مسلسل بول رہا تھا۔
 "جنگی ملی کس قدر زور سے کاٹا ہے دیکھو نشان آگیا
 ہے۔" کالر ایک سرخیز سے نیچے کر کے دکھایا۔ سرخ
 دائرہ کافی واضح تھا۔ اس پر اپنی نگاہ ڈال کر لاپرواہی
 سے تکیہ جگہ پر رکھنے لگی۔
 "دوبارہ سے ایسی کھٹیا حرکت مت کیجئے گا۔"
 "کیوں نہ کروں آخر مسز ہو میری۔" وہ اٹھ کر سائیڈ
 دروازے سے یوں نکل لایا۔
 "زخم دیا ہے تو مرہم بھی لگاؤ۔" ٹیوب لے کر وہ اس
 کے مقابل تھا۔ وہ چند قدم کے فاصلے مٹا کر زور یک آئی
 پھر ہاتھ بڑھا کر پھیلنے سے یوں اٹھائی اور واش روم
 کے دروازے پر دے ماری۔
 "آپ میرے دلے بھی ہوں گے تا اور مجھ سے
 میجانی کی توقع رکھیں گے تب بھی میں آپ کی میجا
 نہیں ہوں گی۔ آپ کو توپ توپ کر مرنا دیکھوں گی۔
 مجھے خدا اختیار دے تو آپ کو ایسی اذیت تاک موت
 دوں کہ مرنے کے بعد بھی آپ کا بے روح جسم کھلیا تا
 رہے۔ میرے پاس آنے کی مجھے چھوٹے کی کوئی
 مت کیجئے گا۔ گھر آئی ہے مجھے آپ سے آپ کے
 وجود سے۔ کراہت ہوئی ہے مجھے آپ کے تصور سے
 ہی۔ آپ مرد ہیں۔ مجھ سے زیادہ طاقتور ہیں۔ جورو بازو
 حاصل کر سکتے ہیں مجھے لیکن میں آپ کو تباہوں مجھے
 زندگی کی طلب نہیں رہی۔ آپ نے آپ کے عمل
 نے مجھے نظروں سے نہیں کر لیا۔ میری روح کو مار دیا
 ہے۔ آپ کے سامنے بے روح جسم ہے۔ مجھے اس
 جسم کی بھی پروا نہیں۔ اگر آپ نے اس جسم سے کھیلنا
 چاہا تو میں آپ کو بھی آگ لگا دوں گی یہ جسم میرے
 کسی کام کا نہیں لیکن مجھے خبر ہے آپ نہیں چاہیں

کے کہ میں خود کو نقصان پہنچاؤں۔ آخر آپ کی جیت کا
 میڈل ہوں میں۔ میرا وجود سند کی سی حیثیت رکھتا ہے
 آپ کے لیے۔ آپ نے مجھے کانٹوں بھری راہ کرنا پڑی
 میری مرضی کے خلاف کھینچا ہے اب نتائج بھی خود
 بھگتے گا۔" لٹی نفرت بھی نگاہوں میں کیسی پتنگا رواں
 نکل رہی تھیں نیلی آنکھوں سے سرد روح کو ٹھہرا
 دیتے والا لہجہ تھا۔
 یماز حیدر ساکت نظروں سے دیکھتا رہا۔ بندے کے
 سر پہ دروازہ ہو کر سائیڈ لپ بچھا کر چادر بان کر لیت
 چلی گئی۔ حد درجہ پر اعتماد انداز تھا۔ اس سے نفرت کا
 اظہار کر کے اسی کے بند روم میں آکر اس سے دراز بھی۔
 اس دن سب دیر کا دن ملے کر رہے تھے۔ تاکہ
 سب ہی کو اس شادی کی خبر ہو جائے۔ اس نے سنا تو
 سنگ روم میں چلی آئی۔ سب کی نظریں اس پر اٹھ
 گئیں۔
 "جلی جان میں نے سنا ہے آپ سب دلچسپی کی
 تقریب منعقد کر رہے ہیں؟" وہ بے خوف و خطر
 استفسار کر رہی تھی۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلادیا۔
 "مجھے آپ لوگوں سے ایسی توقع نہیں تھی۔" انداز
 گستاخی سے بولے تھے۔ یماز حیدر اسے گھورنے لگا۔
 سب ہی اس کی ذہنی حالت سے آگاہ تھے سو کسی کو برا نہ
 لگا۔
 "بیٹے یہ ہم خوشی سے نہیں بحالت مجبوری کر
 رہے ہیں۔ ہمیں خبر ہے ہماری خوشی تمہیں ذمہوں پر
 نمک لگے گی۔ مگر اب تم ہماری ہو ہو۔ تمہارا تعارف
 لازمی ہے۔" بابا جان نے بھلا سے سمجھانے کی سعی
 کی۔ وہ ٹٹک گئی۔
 "کپے عزیز واقارب سے آپ کیا کہہ کر تعارف
 کروائیں گے میرا؟ یہ بتائیں گے کہ آپ کے ہولناک
 بیٹے نے کرائے کے غنڈوں سے کڈھپ کر کے عمارت
 کے نام پر ایک میل کر کے مجھ سے نکل تھامے۔ پھر
 کو لایا؟ پھر جیت کا میڈل وصول کرنے میرے ہاتھ لگا

پاس پہنچ گیا۔ میرے والدین کی غیر موجودگی پر کیا بظور
 تراشیں گے آپ؟ یہی کہ مر گئے ہیں وہ لوگ اور میں
 یتیم ہوں؟ اگر آپ لوگ تماشے کے خواہشمند ہیں تو
 شوق سے دلچسپی کی تقریب ارچہ کیجئے میں خود سب کو
 جیج کر تماشوں کی کہ اس شخص نے کیسے میری
 مجبور یوں کاسو اگیا۔"
 اس کے لیے سے نفرت کی پینٹش کرنا از حد مشکل
 تھا۔ یماز حیدر رنگ رہ گیا تھا۔ اسے ملا متی نظروں سے
 دیکھ کر وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔ یماز حیدر کمرے میں
 داخل ہوا تو لائٹ گئی ہوئی تھی۔ کیونکہ کی ناکانی روشنی
 میں کمرہ زرد ہو رہا تھا۔ وہ بند پڑا ہوا تھا۔ اس کی آمد
 پہ بھی اس کا انداز ہنوز تھا۔ اس کے پر سکون انداز پہ
 اس نے بازو سے پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔ "کیا
 بکواس کر رہی تھیں تم سب کے سامنے۔" وہ ہنسنے
 لگے انداز میں چینا۔
 "آپ کی اصل صورت دکھا رہی تھی سب کو۔"
 اس کی استہزاء سے مسکراہٹ نے یماز کی جان جلادی۔
 "میں بھی دیکھتا ہوں کیسے دیر کی تقریب نہیں
 ہوتی۔"
 "شوق سے ارچہ کیجئے۔"
 جب لوگوں کو خبر ہوئی کہ میں نے تمہیں کن ذرائع
 سے پیوی بنایا ہے تو آج تم پر بھی آئے گی۔" اس نے
 ایک میل کیا۔
 "کوئی پروا نہیں اب عزت کی فکر نہیں ستاتی۔"
 اس کا انداز وہی تھا۔
 "کیوں اذیت دیتی ہو خود کو؟" اس کا خود اذیتی کا انداز
 کیونکہ لگا رہا تھا۔
 "تاکہ آپ بے چین رہیں۔" کھٹ سے جواب
 آیا۔
 "تم ایسی تو کبھی نہیں تھیں۔ اتنی سخت دل اتنی
 بے دردی۔"
 "تو کن کا قانون تو بڑھا ہو گا۔ سب عمل کا رد عمل
 ہے۔ ورنہ میں تو خود ہی سے بھی محبت کرتی ہوں۔
 لڑتے کا جذبہ میرے اندر آپ نے ڈالا ہے اور میں

آپ کو وہی لوٹا رہی ہوں۔" اس نے سائیڈ پر رکھا
 میگزین اٹھا کر برق گردانی شروع کر دی۔
 "میں نے کبھی بار نہیں ملی کشش۔" اس نے
 میگزین جھپٹ لیا۔
 "آپ مان لیں گے۔" وہ جملہ بازی سے باز نہیں آ
 رہی تھی۔ یماز حیدر کا تپا تپا لہجہ اسے محظوظ کر رہا تھا۔
 "کیوں اکثر رہی ہو آتیا؟ جو شخص تمہارے جملہ
 حقوق اپنے نام محفوظ کر سکتا ہے وہ تمہیں حاصل کر
 کے تمہارا غور خاک میں بھی ملا سکتا ہے۔"
 "مرد کو برتری ہی کا کھنڈہ لاحق ہو تا ہے یہ شوق بھی
 پورا کر کے دیکھ لیں کیسے کوئی حسرت باقی نہ رہ
 جائے۔" جان جلائے والی مسکراہٹ لہوں پہ سجا کر وہ
 وارڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔
 "آپنی مغرور کیوں ہو رہی ہو تم؟"
 "کیوں نہ ہوں۔ جان کی بازی لگا کر حاصل کیا ہے
 آپ نے میری اہمیت تو خود بخود بڑھ جاتی ہے۔" وہ
 اس کی حالت سے حظ اٹھا رہی تھی۔
 "میری نرمی کا جائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔ میں دو منٹ
 میں تمہاری اکثر نکل دوں گا۔" وہ پھر کر اس تک آیا۔
 اسے ستون کی طرف دھکیل کر دائیں پا میں اس کے
 وجود کے گرد ستون پہ ہتھیلیاں رکھ کر فرار کے راستے
 بند کر دیے۔ اس نے دونوں ہتھیلیاں اس کے سینے پہ
 رکھ کر پوری قوت سے اسے پیچھے دھکیلنا چاہا مگر اسے
 بلا بھی نہ سکی۔ بے بسی کے احساس سے جو ہو کر اس
 کا کالر فوج کسرٹ دیا۔ جین ٹوٹ کر پھٹ گئے۔ وہ
 استہزاء سے مسکراہٹ لہوں پہ سجائے جیسے کوئی دلچسپ
 کھیل دیکھ رہا تھا۔ یماز حیدر برتری کے نشے میں چور
 اس کے چہرے پہ جھکا ہوا تھا۔ اس کی سانسیں رکنے
 لگی تھیں۔ اس نے اس کی پشت پر ہاتھوں کی بارش کر
 دی مگر اس کے فولادی جسم کے آگے کے بے سود
 رہے۔ ساری مزاحمت بے کار گئی۔ استحقاق وصول کر
 کے اس کی نیلی آنکھوں میں جھانک کر چڑا رہا تھا۔
 "دیکھ لی میری حد؟" شخص بھال کر کے اس نے
 اس کی چوڑی پشت کو دکھا کر دھور لاک کر رہا تھا۔ اس

نے سرعت سے جلتی کینڈل اٹھا کر ہتھیلی اوپر رکھ دی۔
وہ ڈور لاک کر کے پلٹا تب تک موم بجی کی نو ہتھیلی جلا
چکی تھی۔

”ماسے گڈ نہیں! اس نے لپک کر موم بجی اس سے
لیٹا چاہا۔

”میرے نزدیک مت آتا ہماز حیدر جاتی ہوں
تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر خود کو پہنچا سکتی ہوں
جس کا عملی مظاہرہ تم دیکھ رہے ہو۔ تم مجھے چھوٹے تو
میں خود کو جلا لوں گی۔“ وہ موم بجی کی لو چرے کے
قریب کر چکی تھی جسے میں کوئی درد نہ غرایا تھا۔ اس کے
برہنے قدم ساکت رہ گئے تھے۔

”تم بالکل ہو گئی ہو؟“ وہ منتظر لگا ہوں سے اسے
دیکھ رہا تھا۔ موم بجی۔ فاصلے پر رکھے وہ تیار کھڑی
تھی اور اگر اس نے پیش قدمی کی تو خود کو جلا لے گی۔
ہماز حیدر کو اس انتہائی اقدام کی توقع نہیں تھی کہ وہ
اس سے نفرت کے اظہار کے طور پر خود کو نقصان
پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرے گی۔ غصہ بھینٹا
دیا اگلی سے اور کشش زور اسے کوئی دیوانی ہی لگ رہی
تھی۔ کشش نے اس کی دھکی رگ۔ ہاتھ رکھنا تھا۔ وہ
اسے نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس کے
ساتھ زبردستی کا خواہاں نہیں تھا مگر وقتی اشتعال نے
اس کے حواس چھین لئے تھے اور اب وہ ساکت تھا۔
وہ زور بازو اسے حاصل کر لیتا۔ ہر وقت تو اس کا سایہ
نہیں بن سکتا تھا۔ اگر وہ خود کو نقصان پہنچا لیتی تو اس
کے ہاتھ کیا چٹا؟ جان جو کھول میں ڈال کر لوگوں کی
باتیں سن کر اسے اپنا یا تھا اگر وہی نہ رہتی تو کیا کرتا وہ؟
ہماز حیدر نے لگا ہی اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔ موم
بجی کی دھکیب روٹنی میں اس کا چہرہ کسی شاعر کا خواب
لگ رہا تھا۔ جلی ہتھیلی دھتے لگی تھی۔ تکلیف کے
مارے آنکھوں میں پانی آ گیا تھا مگر وہ سادہ پوزیشن
اقتدار کے کڑی تھی۔ ہماز حیدر نے فرسٹ لیڈ پاس
کے ایک قریبی زنگی اور اس کے سامنے رکھ دی۔
”اسے ہتھیلی پر لگا لیا۔“ مجھو رواہ کھول کر باہر نکل
گیا۔ ہتھیلی پر نظر نہیں جمائے اس کے لبوں پر جموح

مسکراہٹ تھی۔

☆ ☆ ☆

وہی میسر اور مویخو سے بہلتا نہیں
کوئی تو ہو جو میری دسترس سے باہر ہو
ہماز حیدر کی پرستانی کچھ اسی شعر پر فٹ بیٹھی
تھی۔ کتنی ہی۔ جنین و کشش اس کی رگ میں دیں
کیے جیٹھی تھیں اور اس کا دل آیا بھی تو کس پہ بتا دیتے
بنائے زور کی زہلی کشش کے متعلق سن سن کر وہ
اسے اچھی لگنے لگی تھی۔ بتا دیتے وہ اس کی محبت میں
گر فقاہ ہو چکا تھا۔ اور ملنے کے بعد وہ اس کی سوچ پر
پوری اتاری تھی۔ سیدھے راستے سے وہ اس کے
حصول کا خواہشمند تھا۔ مگر پہلے ہی مرے پر زور
صاحب نے اس کے ارادے کو ٹھیس پہنچائی۔ وہ آرام
و سہولت سے عزت نفس مجروح کیے بغیر انکار کر سکتے
تھے مگر انہوں نے کوئی لحاظ نہ کیا۔ اس نے پھر بھی صمت
نہ ہاری۔ وہ ایک بار پھر سوالیہ من کر گیا اور پہلے سے زیادہ
بے عزتی کروا کر لوٹا تھا۔ اس جیسے شخص جس نے ہمیشہ
فحش مندی ہی دیکھی تھی اسے ہارداشت نہ ہو سکی
اور اس نے زبردستی کشش زور کے ہاتھ حقوق محفوظ
کر لیے وہ بری شان سے گردن اٹھائے زور صاحب
سے ”اٹنی پوری“ کو مانگتے کیا تھا اپنے طور پر وہ ہاتھ
جھپٹا کر کشش زخمی ناگن کی طرح اس کی جیت کو ہار
میں بدلنے لگی تھی۔ اسے اپنے بڑے کے تسلط میں
قادر بنانا تھا اک مہینے کا زور تھا اور اسے دلنا اسے کشش
کے بغیر رہنا تھا۔ قہر تو کبھی نہیں دی تھی لیکن اس
کے وجود کو اپنے بندہ روم میں دیکھ کے اس کے
احساسات خوشگوار ہو جاتے تھے اور اب اتنی ہی وہ تھی
اسے پریشان کر رہی تھی وہ اسے ساتھ لے جاسکتا تھا
بشرطیکہ وہ چلنے کو تیار ہوئی۔

”کیا لاؤں تمہارے لیے؟“ جاتے وقت اس نے
پوچھا انداز محبت و چاہت سے لبرز تھا۔
”کیا لا سکتے ہیں آپ میرے لیے؟“ انداز انکار
تھا۔

”ہو تم کو۔“

”میری کھوئی ہوئی عزت لا سکتے ہیں آپ میری آن
انا کو بھال کر سکتے ہیں؟ مجھے میرے گھر والوں کی نظر
میں دوبارہ وہی قدر و منزلت دلا سکتے ہیں؟ میرے لیے
کچھ لانا ہی چاہتے ہیں تو میرا غرور و خمر لے آئیے جو
زندگی کے بازار میں آپ نے مجھ سے چھین لیا۔ آپ
دنیا کے فلاں ترین انسان ہیں ہماز حیدر آپ میری
فرمائش پوری نہیں کر سکتے۔“ تنگ کے بولی وہ ساکت
نظروں سے لب جھپٹے اسے دیکھتا رہا۔ پھر بھی ماحول کو
بستر کرنے کی غرض سے بولا۔

”ہو سکتا ہے کوئی میم مجھے پھانس لے؟“ وہ
استہزائیہ مسکراہٹ بھا کر بولی۔
”کاش ایسا پہلے ہو جاتا تو کم سے کم میں توفیق جاتی۔“
اس کھڑا توڑ جواب کے بعد اس کے پاس کتنے کو کچھ
نہیں بچا تھا۔

☆ ☆ ☆

زندگی جیسے اک جمود طاری ہو گیا تھا۔ رنگ روپ
فضا کی سے دل کشی کھودی تھی۔ وہ لگی بندھی روٹین
سے آگاہ تھی۔ صبح یونٹوروشی جاتا واپس آکر مگر وہ بند
کر کے بیٹھے رہتا۔ یہی معمول تھا مگر میں کوئی بھی
اسے زبردستی اپنے پاس بیٹھنے کو مجبور نہیں کرنا تھا۔
پہلے ہی سب کے سر جھکے رہتے تھے اس دوران
زیریں اور اس کے سمسٹر بھی ہو گئے زوریں نے مقدمہ
بھر کر کشش کی تھی اسے منانے کی گروہ سرد مہربان جاتی
تھی۔ ہماز حیدر بھی موجود نہیں تھا وہ پور پور رہی
تھی۔ اسے جلاسا کر اس کے جذبہ انتقام کو تسکین ملتی
تھی۔ پھر وہ آگیا مگر ایسا نہیں اس کے ساتھ ایک لڑکی
بھی تھی۔

”یہ اپنا ہے میری کلاس فیلو تھی۔ اسے پاکستان
کہتے کا بہت شوق ہے اتفاقاً“ ٹرمینل پر ملاقات ہو
گئی تو میں اسے گھر لے آیا ہمیں کا تعارف وہ بہت
دلدادہ انداز میں کروا رہا تھا۔ کشش کو وہ مہینوں میں
ملنے سے زیادہ محبت مند اور خوش باش لگا۔ اس کے

اندروں کو کچھ جلتے لگے۔ ”دوسروں کو آزار پہنچا کر کیا
کوئی اتنا خوش ہوتا ہے؟“ خمیر اسے ملامت نہیں کرتا

”میری بی بی میں ریزرویشن تھی اب جب تم مجھے
یہاں لے آئے ہو تو جرنلے کے طور پر مجھے کراچی
دکھاؤ گے۔“ اپنا گولڈن براؤن بالوں کو ایک اواسے
جھٹکتے ہوئے ناز سے گویا تھی۔

”منظور ہے۔“ ہماز حیدر نے بہت مسکراتے
ہوئے جواب دیا تھا۔ اس کی نظریں اپنا کے سراپے اور
چہرے میں اچھٹے لگیں۔ بلیک جینز ریڈنی شرٹ میں
یورپین گلس کے ساتھ وہ بہت معصوم لگ رہی تھی۔
وہ فردا ”فردا“ اپنا کو سب سے متعارف کرا رہا تھا۔ وہ
جھٹکتے سے اٹھ کر اندر پہنچی گئی تھی۔ اپنا نے اس کے
بارے میں استفسار کیا تھا جواب میں اس نے کیا کیا تھا
وہ سن نہ سکی۔ غصے و جنون کی شدید لہر اس کے وجود
کو لپیٹ میں لے لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بندہ روم میں آیا
تو اس کے برہنے قدم دبلیزہ ہی ٹھٹھک گئے۔ سادہ
ہاتھ رکھے وہ کمرے پر نظریں دوڑا رہا تھا۔ کوئی بھی شے
جلد پر نہیں تھی۔ یوں لگ رہا تھا کمرے میں اچانک
زلزلہ آیا تھا اور ساری چیزیں ٹس ٹس ہو گئی تھیں۔
وہ تشویش سے اس کے وجود کو دھونڈ رہا تھا۔ آنکھوں پر
بازو رکھے وہ دروازہ لگی۔ وہ وارڈروب کی طرف بڑھ گیا۔
خلی وارڈروب اس کا منہ چڑا رہا تھا سارے کپڑے
قالبین پر پڑے تھے اس نے ان میں سے قدرے
آرام دہ سوٹ نکالا اور واش روم میں چلا گیا۔

”جب تمہارے پیچھے آگے اپنا جیسی حسین لڑکیوں
کا ہم غصہ تھا تو تم نے کیوں مجھے گھسیٹا؟ کیوں مجھ سے
میرے بچپن کا آئین چھین لیا؟ میری خسی خوشی اپنے
جنون کی بھیٹ چڑھا دی؟ اب جب میں بے بس ہو
چکی ہوں تو تم کھل رہے ہو۔ میں تمہیں اتنی آسانی
سے جینے نہیں دوں گی ہماز حیدر۔ مجھے بے سکون کیا
ہے تو میں تمہیں بے سکون کر دوں گی۔ تمہیں اسی
طرح تڑپاؤں گی جلاؤں گی جس طرح تم میرے ساتھ
کر رہے ہو۔ تم دیکھنا میں کس حد تک جلی جاؤں گی کہ

اینا اپنے گروپ کے ساتھ دوسرے شہر کو سدھار گئی تھی۔

یہاں خیر آج بہت خوش تھا۔ ان کی فرم نے چیمبر آف کامرس میں دھوم مچا دی تھی۔ چھپے کی سال سے فرم نقصان میں جا رہی تھی۔ اتنے بڑے بڑے برس کو سنبھالنا جدید کو مشکل سے دو چار کر گیا تھا۔ بابا جان بھی اب تھکنے لگے تھے۔ سبھی انہوں نے یہاں خیر کو دم داریاں سونی تھیں۔ امریکہ سے واپسی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی اس نے آکر نئے سرے سے پروڈکشن کا جائزہ لیا۔ سب کچھ اپنے طور پر تبدیل کر دیا۔ اس کی محنت اور اللہ کے کرم سے آج ان کا بزنس ترقی کر رہا تھا۔ بابا جان کو اس کے کام کرنے کے انداز سے خوشی ہوئی تھی۔ وہ دل تھوڑا کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ آخری اسٹیج تک کوشش و لگن کی جستجو کرتے والا تھا۔ بابا جان اس کی محنت و لگن سے متاثر تھے اور جب وقت پڑا تو اس نے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی تعریف کے قابل ہے۔ ریکارڈ آرڈر کی خوشخبری جب اس نے بابا جان اور جدید کو دی تو دونوں اس پر فخر کرنے لگے۔

ریلیکس انداز میں بچاؤ ڈرائیو کرتے وہ سڑک پر رولان دو ان گاڑیوں کو گزرتے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اسے بجلی چھو گئی۔ ریلیکس انداز پل بھر میں ہوا ہو گیا۔ "کتناتے لب اوہ کھٹے رہ گئے۔ جیسے وہ عالم خیر میں ہوں۔ بلیک سوک تیز رفتار گاڑی کی طرح اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ گرون موٹر کار اس نے فرنٹ سیٹ پر اتنا ہنسنے کو دیکھا۔ وہ وہی تھی بالکل وہی وہ انکا شکندہ کیا تھا کہ بے دھیانی میں بچہ بریک پر جا پڑا۔ تھوڑے کے پل جب تک چھپتے وہ بلیک سوک کو روک لگا۔ رولان گھٹل آن ہو گیا تھا۔ بلیک سوک اس کی نظموں سے دور ہوئی چلی گئی۔

سب سے پہلے لان میں زریں سے ملے چیمبر ہوئی وہ سیدھا اس کے پاس آیا۔ "تم اسفند چوہدری کو جانتی ہو؟" بغیر کسی سلام دعا کے وہ باز پرس کر رہا تھا۔ زریں نے حیرت سے کہا حیدر کا سرخ چہرہ دیکھا۔ وہ بہت فیسے میں تھا۔

تم خود مجھے اپنے نام سے الگ کرنے میں ایک سکنڈ نہیں لگاؤ گے۔" اس کا ذہنی توازن جیسے الٹ گیا تھا۔ اس کی بے گامگی یہ دیکھنے سے بیان باری تھی۔ اینا کیا آئی تھی گھر میں رونق ہو گئی تھی۔ یہاں خیر ان دنوں سارا وقت اینا کو دے رہا تھا کبھی دونوں کارڈز کھیلتے جیسے کی بازیاب لگتیں۔ آدھی آدھی رات کو لاٹنگ ڈرائیو پہ نکل جاتے یا آنسکویم کا اوور کھاتے جاتے۔ اینا بے باکی کی حد تک یہاں خیر کے قریب ہوتی تھی۔ کبھی اس کی کسی بات پر ہنستے ہنستے اس کے شانوں پر بھول جاتی تو کبھی بے تکلفی سے اس کے سینے پر ہاتھ مار بیٹھتی۔ سارا سارا دن وہ اسے کراچی کی سیر کراتا رہتا۔ پھر آکر بھی سارا وقت اسی کے سنگ بنانا۔ رات کے بڑے روم میں آتا تھا۔ ان دنوں کشش زواری کی طرف دیکھنا اس نے جیسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی مگر چپ تھی۔ اینا کو بطور مہمان سب کچھ دیتے تھے مگر وہ کئی سی رہتی تھی۔

"اینا مزید کب تک مہمان رہے گی؟" وہ بی جان کے پاس کچھ دیر بیٹھنے کے خیال سے آئی تھی۔ کبھی اندر سے آتی تو اس نے اس کے دستک دیتے ہاتھوں کو ساکت کر دیا۔ "کل رسول تک اس کے گروپ کے باقی ممبر بھی آجائیں گے تو چلی جائے گی۔ کیوں حیرت؟" اندر سے یہاں کی آواز آئی۔

"اچھا ہے جو جلدی چلی جائے گی۔ پرانی عورت سے مجھے تمہاری اتنی بے تکلفی ذرا اچھی نہیں لگتی۔" چیمبر خود سوچتا چلا ہے تڑا شدہ ہو تمہارے زمانے سے چھڑا کر زبردستی اینا ہے کیا اس کی محبت ختم ہو گئی دل سے جو تم ان خلیوں کے پیچھے اس کے نقصان کو فراموش کر گئے؟ کیسے کئی بھر رہی ہے ان دنوں۔ کب تک کرو گے اس کی آغوش؟ کیا لگاؤ ہے اس معصوم نے تمہارا؟" بی جان ناراضگی بھرے کلمے میں اس سے گویا تھا۔ اس کی مسلسل خاموشی نے اس کے اعصاب میں بے جا کڑواہٹ پیدا کر دی۔

آنکھوں سے جھانکتی رہی یہ زریں کا دل و جگر اٹھائے غصے کا تو وہ یوں بھی تیز تھا اور اب تو عالم ہی عجیب تھا۔ اس کے کلمے سے کپکپا کر اس نے جھٹ سے سر ہلا دیا۔

"کب سے چل رہا ہے یہ کھیل؟" زریں سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس کے ہلے سر کو دیکھتے لیے لیے ڈگ بھڑا آگے بڑھ گیا۔

"یا اللہ رحم کرنا اب اور ڈرامہ نہ ہو۔" زریں روہائے لیے میں کتنی بی جان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اپنے پیچھے ڈور لاک کرتے جیکٹ بنا دیکھے دور اچھال دی۔ ٹائی کی ٹاٹ کھول کر اسے بھی دور پھینک دیا۔ اسی اثنا میں واش روم کا دروازہ کھلا۔ وہاں سوٹ میں بنا دوپٹے کے برآمد ہوئی۔ حجاز خیر نے کسی شکاری کی طرح لپک کر اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور کھینچا ہوا بیڈ پر دھکیل دیا۔ نیلے پاؤں اور چہرے پر شفاف بوندیں چمک رہی تھیں۔ وہ بڑی معصوم اور حسین لگ رہی تھی۔ نیلی آنکھیں حیرت سے اس کے چہرے پر جھلک رہی تھیں۔ وہ اس کا اشتعال سمجھنے سے قاصر نظر آ رہی تھی اور اس کو شش میں خاصی دلفریب لگ رہی تھی۔ یہاں خیر حقیقتاً "اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔ ویسا ہی جنونی لگ رہا تھا جب اس نے کشش سے نکاح کیا تھا۔

"کیا خلی ہے اسفند چوہدری میں جو مجھ میں نہیں؟" شافوں کو بکڑے نیلی آنکھوں میں بغور دیکھ رہا تھا۔ سوال اگرچہ فیسے میں کیا گیا تھا مگر درد کے پچھمی نے سنہری نگاہوں میں پڑاؤ ڈال لیا تھا۔ استفسار یہ اک لمحے کو اس کے چہرے پر خیر کے رنگ کھلے تھے اسٹیل ہی پل ان رنگوں میں استہزائیہ رنگ نمایاں ہو گیا یوں بھاری چوٹ پڑی تھی۔ یہاں خیر کے بدلے۔

"کیوں تھیں تم اس کے ساتھ؟" شانہ دیا ہوا تھا۔ وہ درو سے دوہری ہو گئی۔ گرم دہکتے ہاتھوں پر اس کا لہذا ہاتھ آ پڑا۔ اس کے ہاتھ ہٹانے کی کوشش میں وہ ہانک ہو رہی تھی۔ "کیوں لیتی ہو تم اس سے؟"

"اینا کے ساتھ آدھی آدھی رات کو گھر لوٹتے تھے اس کے ساتھ بیٹھ کر میوزک دیکھی جاتی تھیں۔ سارا سارا دن اسے لیے لیے پھرتے تھے۔ میرے سامنے بے تکلفی کے "عظیم مظاہرے" ہوتے تھے تب تو میں نے آپ سے کچھ نہیں پوچھا تھا تو آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"میری برابری کر دے؟" وہ غرایا۔ "ہاں جو آپ کریں گے میں وہی کروں گی۔ مجھے درد کر کے آپ کو عیاشی ہی کرنی تھی تو کیوں مجھ سے میرے اپنے چھین لیے میری راہوں میں کھٹے پھا کر آپ مجھ سے گلے کھاتے کی امید رکھتے ہیں تو یہ آپ کی بھول ہے۔ مجھے نفرت ہے آپ سے اور خود سے اسی صورت پر مر رہے تھے نہ آپ جلدی میں اس پر تیزاب پھینکنے والی ہوں اور یہ مروجہ جسم آپ کو جلد ہی کسی مروجہ۔"

"ککش! غصہناک آواز میں دھاڑ کر اس نے ایک تھپڑ سید کر دیا۔ اس نے پھر کر اس کا ہاتھ ہٹایا۔ "میں ایسا ہی کروں گی دیکھ لیتا؟" خود کو پھڑا کر بندر انداز میں گویا تھی۔ یہاں خیر کو طیش آیا۔ "میں تمہیں اس لائق بھی نہیں چھوڑوں گا۔ تم میری عزت کو یوں سرعام رسوا کرو اور میں چپ بیٹھ کر تماشا دیکھوں لووے۔"

"میری عزت۔" وہ دل کھول کر مٹی زرا پرے روم فریج کی طرف بڑھ گئی۔ جھک کر پانی کی بوتل نکالی اور کارک کھول کر لیوں سے نکالیا۔

"ابھی میں آپ کی عزت بن گئی۔ مجھے اسفند چوہدری کے ساتھ دیکھ کر آپ کی غیرت جوش میں آ گئی۔ مجھے تڑپ کر بخور پھر نکاح کے وقت آپ کو احساس تھا۔ میری عزت کا؟ آپ جیسے لوگوں کو کسی کی عزت آبرو کی پروا ہوتی ہے؟" فریج کا دروازہ کھولے وہ اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔

"تم بولتی رہو۔ مجھ پر کچھ اثر نہیں ہو گا۔ آج تو وہی ہو گا تو میں چاہتا ہوں تاکہ تمہیں کسی اسفند کی کمی محسوس نہ ہو۔" وہ آؤٹ آف کنٹرول ہو گیا تھا۔

”میں نے آپ کو وارن کیا تھا کہ آپ نے مجھے چھو تو اچھا نہیں ہوگا۔“ اس کا انداز بھی بے چلک تھا۔
”بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔“

”یماز میں آپ کو کہہ رہی ہوں رک جائیں۔ میرے پاس میت آئیں۔“ ابھی اس کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس نے اس کا بازو پکڑا اسے اپنی طرف کھینچا۔

”آج وہی ہو گا جو میں چاہتا ہوں۔“ اس کے کچھ کرنے سے پہلے ہی اس نے پشت پر موڑی کلائی سامنے کی۔ جس میں پھل والی نوک دار چھری چمک رہی تھی۔ جو پالیٹے کے ہلانے اس نے فریج کے اندر موجود فروٹ باسٹ سے نکال لی تھی کہ آج یقیناً فیصلے کی گھڑی تھی۔ ہاتھ میں چھری دیکھ کر وہ اک لعل طے کو ٹھٹھکا پھر اس نے پھرتی سے کلائی تھام لی۔ وہ دھڑکی تھرتھکی طرح مزاحمت کر رہی تھی۔

”مجھے پاموزیں یماز ورنہ میں مکمل کر دوں گی آپ کو۔“ اس کی فولادی پکڑ سے اس کے بازو میں درد ہونے لگا تھا۔

”کشتن یماز دروازہ کھولو کیسا شور ہے اندر گیا کر رہے ہو تم لوگ؟“ یاہر سے بی جان کی گھبراہٹ تو از سالی رہی۔

”بھائی پلیز دروازہ کھولیں۔“ زریں کی روپائی آواز آئی۔

”آپ لوگ جائیں یہاں سے۔“ وہ جھنجھلا کر برس پڑا۔ اس کی گرفت دروازے پر بڑی دستک سے کمزور پڑی تھی اور کشتن کے لیے اس کی یہ کمزوری سودمند ثابت ہوئی۔ چاہنے کے باوجود وہ تیز چھری اس کے سینے میں نہ اتار سکی تو پھرتی سے چھری والا ہاتھ اس کے قبضے سے نکال کر خود کو مارنا چاہا تب تک وہ سنبھل چکا تھا۔ اس کے ہاتھ دوبارہ قابو کرتے کرتے اس نے اپنے شانے میں چھری گھونپ لی۔ ”بے وقوف لڑکی چھری اس کے ہاتھ سے لے کر پھینک دی جاٹ سوٹ کو خون کے فوارے سے منہ نہ دیکھ کر وہ بچھڑے سمندر کے بھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔ جنون، غصہ، بھاپ کی

طرح اڑ گئے متاسف نظروں سے دیکھتے اس کے لڑکھڑاتے وجود کو متاع حیات کی طرح سمیٹ لیا۔ سنہری آنکھوں میں نئی اتر آئی تھی۔ باہر سے مسلسل دروازہ پینے کی آواز کے ساتھ بی جان کی غصیلی آواز آ رہی تھی۔ وہ اپنا آپ پھڑکنے کے لیے مزاحمت کر رہی تھی۔ جس کے پیچھے میں خون اور تیزی سے بہہ رہا تھا اس نے اس کی کوشش نظر انداز کر کے اس کے وجود کو اٹھا کر بیڈ پر لیٹا دیا۔ وہ دروازہ کھولنے کی نیت سے اٹھنے لگا تھا۔ جب کشتن نے نیم غودگی میں اس کی اسٹین کو تھام کر اس سے کہا۔

”میں نے کہا تھا یماز حیدر مجھے چھونے کی کوشش مت کرنا۔“ کیسا باور کرا تا لہجہ تھا۔ نجاب نے زخم گرا تھا یا وہ مارے خوف کے بے ہوش ہو گئی تھی۔ اس نے زریں سے اس کی منگی سے اسٹین آواز کرائی۔ پھر اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

”بہرے ہو گئے تھے کتنی دیر سے دستک دے رہی ہوں۔ یہ کشتن کو کیا ہوا؟“ بکٹی بکٹی بی جان کی نگاہ کشتن کے بے جان جسم پر پڑی۔ شانہ خون میں بیگناہ دیکھ کر ٹھٹھک گئیں۔

”بے ہوش ہو گئی ہے۔“ حد درجہ بھولانہ لہجہ تھا۔ بی جان نے روح میں پوست ہو جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ سخت شرمندگی سے اس نے موبائل اٹھا کر فیصلی ڈاکٹر کا نمبر لایا۔ زریں باقاعدہ روئے لگی تھی۔ یماز حیدر کے لیے یہ صورت حال جان لیوا تھی۔ بی جان مسلسل برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ دینا دونوں کو چپ کرانے کی سعی کر رہی تھی۔

”حد ہوتی ہے کسی بات کی۔ ڈاکٹر کو کیوں فون کیا۔ اک ہی بار گلا دیا وہ اس کا ہمارے اندر ٹھنڈ پڑ جائے گی۔ جانے کیا گاڑا ہے بچی نے تجھے آگے کی یماز اک شے بٹے گھر کو تو نے قبرستان بنا دیا۔ جس گھر میں لڑکی کے زندہ وجود کو مردہ تصور کر لیا جائے وہ گھر قبرستان ہی تو ہے۔ کتنی خواہش تھی ہم سب کی۔ جب یہ ہم سے ملنے آئی تھی ہم سوچتے تھے یہ ہمارے یماز کی دسویں کر اس گھر میں اجالا کرے گی اور یہ اس گھر میں آئی گی

تو کس طرح اس کا بے کل انداز دیکھ کر ڈوب مرنے کو دل چاہتا ہے میرا کہ اس کی بریادی کے ذمہ دار شخص کو میں نے جنم دیا۔ دل بھر گیا ہے اس سے تو جان کیوں نہیں چھوڑ دیتے اس کی؟ کیوں بی بی مار رہے ہو اسے؟ کیسی گلاب جیسی ہوتی تھی۔ تمہاری رفاقت نے مسروں کا پھول بنا دیا ہے۔“

اک خاموش نظر اس نے کشتن کے بے جان چہرے والی۔

ڈاکٹر بنا چکا تھا۔ ہوش و حواس کی دنیا میں قدم رکھتے اس کی نگاہوں نے سب کے منتظر ہوں کو دیکھا۔ اسے ہوش و حواس میں آتے دیکھ کر بی جان شکرانے کے نکل پڑنے اور صدقہ خیریت دینے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ زریں اس کے لیے کتنی باری تھی۔ کمرے کے ستون کے گوشے پر کب سے ایک ہی اسٹائل میں کھڑے وجود میں ڈھیل ہوئی۔ آہستگی سے قدم اٹھاتے اس نے بیڈ کی جانب پیش قدمی کی۔ وہ بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا۔ کتنی ہی دیر اس کی بند پگھلوں کی کرزش کو سناٹ نظروں سے نہ کھتا رہا۔

”اب کیسا محسوس کر رہی ہو۔“ تھکے تھکے لہجے میں سرگوشی کی۔ اس نے بے ساختہ آنکھیں کھول دیں۔ وہ بیڈ پر دراز تھی۔ اس کی حد درجہ قیمت لمبوس سے اٹھتی و آگے بڑھتا خوشبو اس کے گرد چکر کاٹنے لگی۔ پھر ہر انداز میں ہولے ہولے گویا ہوا۔

”یہ جانے بغیر کہ میں اپنا سے اتنی بے تکلفی سے کیوں پیش آ رہا ہوں؟ تم نے جانتے بوجھتے یونیورسٹی فیلو اسٹنڈ سے روابط برعکاس۔ تم اس کی رہنمائی میں سے واقف تھیں۔ یونیورسٹی میں وہ عیاشی کے باعث پہچان رکھتا ہے۔ بڑے جاگیردار کی اولاد ہے۔ مجھے جانے سنا ہے کہ تم نے اس کی پیڑائی کی۔ یہ سوچے بنا کہ تم زریں کی ہو سکتی تھیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مجھ سے انتقام لینے کے لیے تم خود کو بھی داؤد لگا دو گی۔ خود کو تکلیف دینے سے بھی گریز نہیں کرو گی۔ جس کا

عملی مظاہرہ تم نے تھوڑی دیر پہلے کیا۔ تمہارا غصہ، تمہارا انتقام اگر مجھے قتل کر کے پورا ہو سکتا ہے تو تم بے شک اسی چھری سے جتنے چاہو مجھے زخم لگاؤ میں تمہیں دو کول گا بھی نہیں۔ تم نے ہر سزا اپنے لیے تجویز کی۔ ہر زخم خود کو دیا۔ اپنا سے بے تکلفی صرف تمہاری جھلس صورت دیکھنے کو تھی۔ اسے میرے ساتھ دیکھ کر تم آگ بگولہ ہو جاتی تھیں تو مجھے اچھا لگتا تھا۔ اک عجیب سی خوشی ہوتی تھی اس دل کو۔ اسی دل کو جس میں تم ہو۔ تمہارے لیے ڈھیر ساری محبت ہے۔ لیکن شاید مجھے محبت کرنی نہیں آتی یا شاید میری محبت میں وہ جنون نہیں جو تمہیں جیت لے۔ تمہیں میں نے بہت چاہا ہے کشتن اتنی محبت تو شاید میں خود سے بھی نہیں کرتا۔ زریں کے ہر خط ای میل میں تمہارے متعلق پڑھ پڑھ کے تمہاری محبت کا شکار ہو گیا۔ بنا دیکھے ہاٹے۔ اور جب تمہیں دیکھا تو میرے دل نے کہا۔ ”یماز حیدر یہ فیصلی آنکھوں والی لڑکی تمہارے لیے بھلی لگی ہے۔“ میں نے سیدھے راستے سے تمہیں اپنا چاہا تھا۔ مگر تمہارے پیانے میری اناپی حملہ کیا اور مجھ سے یہ برداشت نہ ہو سکا۔ زیادہ غصہ مجھے تم پر تھا اگر تم مجھے اٹھنے سے لہجے میں سمجھا دیتیں تو عالم اشتعال میں شاید میں وہ قدم نہ اٹھا تا پھر تم یہاں چلی آئیں حقیقتاً تمہارے ہوا کا جھکا سر مجھے بھی تکلیف دے رہا تھا ان کا آخری فیصلہ گو کہ مجھے برا لگا۔ مگر میں نے سوچ کر رکھا تھا تمہیں اتنی چاہت ہوں گا کہ تم سارے درد کے فاصلوں کو پاٹ لو گی۔ میری محبت کی چوڑی تمہیں کیا تا عمر سیراب رہے گی۔ مگر ایسا کچھ بھی تو نہ ہوا۔ میں تمہیں اپنا دشمن نظر آنے لگا۔ تم مجھ سے بے اعتنائی برتی رہیں تم نے یہ سوچ لیا تھا کہ میں تمہاری بوجھل سے ڈر گیا ہوں مگر ایسا نہیں تھا۔ میں خود تم سے دور رہا تاکہ تم خود کو سنبھال لو کہ تم نے مجھے اس کا حق نہیں دیا اور آج کے تمہارے عمل سے میرے دل کو بہت تکلیف ہوئی ہے یہ کہہ رہا ہے مجھ سے یماز حیدر تم بہت برے ہو۔ تم نے محبت کو جینے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ حاصل کرنے کے چکر میں پڑ

کئے اور صبح تو کہہ رہا ہے یہ میرا انداز تمہیں مجھ سے
بہتر ہے کیا تم مجھ سے نفرت کرتی ہو اب میرا کوئی
عمل تمہیں مجھ سے محبت پہ مجبور نہیں کر سکتا۔ جانتا
ہوں میں نماز حیدر بہت برا ہے مگر تمہاری قسم کشش
بہت چاہا ہے اس نے تمہیں تمہاری تکلیف پہ وہ خود
ترپ رہا ہے۔ تمہاری چپ اسے دیکھ کی طرح کھا
رہی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ ست دروہو
رہا ہے۔

”کشش زوار کے آنسو کناروں سے پسٹ گئے تھے۔
اس کی یہ جی نگاہوں پہ مٹھیاں بیٹھے ایک دکھ بھری نظر
ڈال کر وہ اٹھ گیا۔ پھر بید روم سے باہر نکل گیا۔ ان
آنسوؤں کو پوروں پہ چنے کا سے حق نہیں دیا گیا تھا۔



”کشش اب میں ڈانٹ دوں گی تمہیں۔ چپ کر
کے یہ دل کھاؤ۔“ دینا سخت غصے میں اس کی طرف
بروہی تھی۔ زخم ابھی مندمل نہیں ہوا تھا۔ ڈاکٹر روز
ورنگ کر رہا تھا اس کی دیگر گوں حالت کو آج تیسرا دن
تھا۔ میڈیسن تو وہی بات اس نے منہ میں پانی کی بوتل
بھی نہ جانے دی تھی۔ لی جان بابا جان حدید زہریں
دینا یہاں تک کہ میاز حیدر تک نے اس سے احتجاجی
تھی۔ مگر وہ ہٹ دھرمی سے اپنے غصہ پہ قائم تھی۔
مسلل تین دن سے وہ سب کی جھڑکیاں سن رہا تھا۔
مگر کمال ضبط سے کام لے رہا تھا۔ دینا کو تو اب کشش
پہ غصہ آنے لگا تھا۔ میاز نے چور راست اپنایا۔ کشش کو
پانے کا اور پانے کے بعد اسے کیا ملا؟ طفر جھڑکیاں
سب کی نفرت اس نے جس کے لیے محبت کا دریا پار
کیا۔ وہی جی بھر کے نفرت والا تعلق کے مظاہرہ تھے
عام کرتی تھی اور وہ مانتے یہ بل لائے بغیر سب جھپٹتا
تھا۔ میاز حیدر سب کی نظر میں مظلوم بن گیا تھا۔ وہ
ابھی آفس سے آیا تھا کوٹ دیکھ کر اس نے اسے
”کشش کی طرف ایک نظر ڈالی تھی۔ غصے سوٹ میں وہ
برسوں کی مریضہ لگ رہی تھی۔ اس کی حالت اس
مریضہ کی سی تھی جس کے اندر جینے کی لگن نہ ہو۔

اسے اسی حالت میں پانچ روز ہو گئے تھے۔ مار
نفاہت کے برا حال تھا۔ چند قدم چلتا تو ہمارا ہاتھ
اسے جیسے کوئی ٹکڑ نہیں تھی۔ میاز حیدر نے اس کے

کھائے چہرے کو گردن موڑ کر دیکھا۔ فرنٹ سیٹ کی
پشت سے سر نکالے آنکھیں موندے وہ بے حد
نرا حال لگ رہی تھی۔

”کیا ایسی ہوتی ہے محبت؟“ اس کی محبت نے تو
کشش کی ساری دل کشی چھین کر اسے۔

”مریضہ بنادیا تھا۔ وہ خود کو قتالین طعن کرنا وہ
کم تھا۔ کتنی منت مراہوں التجاؤں کے بعد وہ اس کے
ساتھ آئی تھی۔ وہ اسے کہاں لے جا رہا تھا وہ بے خبر
تھی۔ اس کے بالا خر ساتھ چلنے پہ وہ اللہ کا شکر ادا کر رہا
تھا۔

گاڑی رکے کافی دیر ہو گئی تو اس نے ہولے سے
چلیں والی تھیں۔ دھیرے سے گردن موڑ کر اس نے
میاز حیدر کی سمت دیکھا تھا۔ یہ مسلسل ایسی کو دیکھ رہا
تھا۔ کیسی دوا آگئی جھانک رہی تھی اس کی آنکھوں سے
شکستگی کے رنگوں نے اس کے چہرے پہ ان گنت نشان
لگا دیے تھے۔ نظریں پھیر کر اس نے رخ موڑ لیا تھا اور
اس عمارت کو دیکھ کر وہ جھٹکے سے میاز حیدر کی طرف
گھوم گئی تھی۔ کتنا خوف آ رہا تھا اس کی نیلی آنکھوں
میں۔ کیسا درد کا سا گر کھول اٹھا تھا اس کے اندر وہ
میاز حیدر کو گھورے جا رہی تھی۔

اس کی طرف جھٹک کر اس نے فرنٹ سیٹ کا
دروازہ کھول دیا تھا۔

”جاؤ۔“ یہ ایک فقرہ اس نے کتنی دقت سے ادا کیا
تھا یہ وہی جانتا تھا۔ کشش ناگہمی کے عالم میں کبھی
اسے اور کبھی اپنے دائیں سائیڈ موجود اونچی عمارت کو
تک رہی تھی۔ اس کی حالت اس پہنچی کی سی تھی جو
کبھی پنجرے کے کھلے دروازے کو دیکھتے لگتی اور کبھی
نیلے آکاش کو۔ پنجرہ اس کے گھر کے سامنے کھڑی
تھی۔ اس گھر کے سامنے جس میں اس نے اپنا بچپن
گزارا تھا۔ جنماں کے کیمپوں سے اس کا خون اور دل
وہ نول کا رشتہ تھا۔ اور میاز حیدر اسے وہی رشتہ لونا رہا
تھا۔

”خالم صیاد نے اک بے بس پنچھی کو قید کر لیا یہ
سوئے بغیر کہ صیاد کی مضبوط پکڑ سے بے بس پنچھی کا

دم گھٹ سکتا ہے۔ موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ لیکن
اب اس خالم صیاد کو احساس ہو گیا ہے کہ اس کے
ہاتھوں کی گری سے پنچھی کا دم گھٹنے لگا ہے۔ خالم صیاد
کو اس بے بس پنچھی سے بہت محبت ہے۔ وہ پنچھی کو
بیش لپٹ پاس رکھنا چاہتا ہے مگر پنچھی اس کی وجہ سے
مر جائے اس کے دل کو گوارا نہیں لندا خالم صیاد نے
پنچھی کو آزاد کرنے کے بارے میں سوچ لیا ہے۔ پھلے
وہ اس کی نظروں سے دور رہے مگر اس کی زندگی کی لوبہ
خالم صیاد کو پھر بھی خوش رکھے گی۔ ”دل گر فکری اس
کے پیچھے عیاں تھی۔

”جاؤ کشش لوٹ جاؤ اینوں کے درمیاں اس سے
پہلے کہ میں پھر سے خالم بن جاؤں۔ لوٹ جاؤ۔“ اس
نے اس پر لگ پے دونوں ہاتھ رکھ کر پیشانی ہاتھوں پہ لگا
دی۔ کشش نے سیاٹ نظروں سے اس کے ہارے
ہوئے انداز کو دیکھا پھر گاڑی سے نکل گئی۔ اینوں سے
پلٹے کے احساس نے جیسے اس کے اندر تو تائی بھری
تھی۔ میاز حیدر اس کی پشت کو خاموشی سے دیکھتا رہتا۔
کشش کو دیکھتے ہی واقع بین نے دروازہ کھول دیا۔ پھر وہ
اندر چلی گئی۔ اس نے سختی سے آنکھیں میچیں۔ دل
پہ کاری ضرب بڑی تھی۔ اس کے ہر اہستہ قدم پہ اس
نے سوچا تھا وہ اک بار تو اس۔ مسافر کو مرکز دیکھے
گی۔ مگر اس نے ایک نظر بھی نہیں ڈالی تھی وہ اسے
اندر تک خالی کر گئی تھی۔ گاڑی تیزی سے بیک کر کے
وہ اس کی گلیوں سے نکل آیا۔

محبت عادت ہوتی ہے مگر عشق سراسر مجبوری۔
زندگی سبک دنیا کی طرح بہہ رہی تھی پھر جہنم دنیا میں
اک طلسمی وجود نے نئی دنیا کی سر کرالی۔ اس نے طلسمی
وجود کو اپنے سنگ باندھ لیا تھا۔ مگر عشق کے رکھ
رکھا زبردستی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ عشق کی گلیوں
میں بسنے کے لیے راہوں کی دھول بننا پڑتا ہے۔ خودی
کا زخم بھلا پڑتا ہے۔ نیند بچپن سکون خوشی عشق کی
فضائل کو دکان کیا جاتا ہے اور جب ایسا نہیں ہوتا تو
عشق کی آگ سب جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ تن من
میں اگر تیاں ہی سکتی رہتی ہیں۔ میاز حیدر جس نے

جینے کے لیے بسا رہا تھا جیسی تھی وہ خود بھی ہار گیا تھا اور یہ ہار اسے شکست لگ رہی تھی۔

یہ دولت بھی لے لو یہ شہرت بھی لے لو بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا سون وہ کانڈ کی کشتی وہ بارش کا پانی روش یہ قدم رکھتے اس کے قدم لڑکھڑاہے تھے جسے ابھی چلتا سیکھ رہی ہو۔ اور گردن پر ڈالتے اس کی آنکھیں بے تحاشا برس رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا اسے برسوں بعد قید سے رہائی نصیب ہوئی ہے۔ یہی لالہ تھا جس میں گر کر اس نے چلتا سیکھا تھا۔

”بھیا دیکھیں میں کر گئی۔ میری کنڈیاں چھل گئیں۔ بہت دور ہو رہا ہے۔“ وہ روتے روتے یہاں سے اپنی تکلیف بیان کر رہی تھی۔ ریڈ پھولے پھولے ٹراک میں خود بھی ریڈ ہو رہی تھی۔ یہاں سے اسے لے لیا تھا۔

”کوئی بات نہیں ہے میں مردم لگا دوں گا۔“ آج اس کا وجود زخم خورہ ہو گیا تھا۔ تب تو کنڈیاں زخمی ہوئی تھیں اب تو پورا بدن زخمی رہا تھا۔

کرچی دھوپ میں اپنے گھر سے نکلتا

۱۵ چڑیا ۱۵ بلبل ۱۵ بھلی پکڑتا

۱۵ گزیا کی شاوی گرتا اور پتھر کے سمجھتا

۱۵ لونی ہوئی چوڑیوں کی نشانی

۱۵ کانڈ کی کشتی وہ بارش کا پانی

”بھیا! میں کبھی ایسا کلام نہیں کروں گی جو آپ کا سر

جھکا دے۔ میں آپ کا غور ہوں نا؟“ اس کی آہنی ہی

معصوم آواز کی بازگشت بن گئی۔ خاندان کی مخالفت

مسل سہ کر چھیننے لے سے کانچ میں ایڈیشن دلا یا تب اس

نے ان کے تذبذب بھرے انداز پر کہا تھا اور بھیا کی

آنکھیں روشن ہو کر اس پر ناز کرنے لگی تھیں۔

بھی ریت کے اوپے نیلوں پہ جانا

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

گھر بندے بنانا ۰ بنانا کے مٹانا وہ معصوم چاہت کی تصویر اپنی وہ خوابوں کی جالیوں کی جالی اپنی نہ دنیا کا غم تھا نہ رشتوں کا بندھن بڑی خوب صورت تھی وہ زندگانی وہ کانڈ کی کشتی وہ بارش کا پانی اس کے وجود میں لرزش طاری تھی۔ یہاں وہاں کتنی یادیں بکھری تھیں۔ کتنا عزیز تھا اسے اپنا گھر اور اسی گھر سے وہ بے اعتبار ہو کر نکلی تھی۔

مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا سون

۱۵ کانڈ کی کشتی وہ بارش کا پانی

اس کا دل چلنے لگا کہ وہ پھر سے اسی دور میں چلی

جائے۔ کوئی عام مشین اسے چھپیل زندگی میں لا کھڑا

کرے۔ تب کتنی سہل تھی زندگی ہر غم و فکر سے آزاد

چلتے چلتے روش کے اس سرے تک آئی تھیں سے

اندروں کی جانب راستہ مڑنا ہے اچانک بھیا بھیا

نکل آئیں۔ اس کے قدم لڑکھڑاہے تھے۔ سر ہٹک

”بھیا! اسے لگا بھیا ابھی اسے دھکے دے کر نکال دیں

گے۔ بھیا سر ہر انداز میں اس کی ہمت میں مصور

چھو نکلیں گے کہ ”تم ہمارے لیے مر گئی ہو۔“ نازک

وجود آندھیوں کی زد میں تھا۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر اس

نے سر اٹھایا۔

”مجھے معاف کر دیں۔ بھیا میری وجہ سے آپ کا

غور خاک میں ملا۔ آپ کی انا کو نہیں لگی۔“

رخساروں پہ بستے آنسو بڑے ہاتھوں رہتے تھے کہ

تینوں نے بغور دیکھا تھا۔ غلبا لباس اجڑا بکھرا سر لیا۔

نقاہت زدہ چہرہ ظاہر کر رہا تھا کہ خواہش زمانہ نے اس

کے ساتھ کتنا برا برتاؤ کیا ہے۔ ماما اس کی اجڑی

صورت پر اٹکبار تھیں۔ ان سب کی خاموشی اعصاب

چٹا رہی تھی۔

”بھیا مجھے معاف کر دیں۔ بھیا میں نے کچھ نہیں

کیا۔ بس میں دیکھی نہیں ہوں جیسا آپ لوگ کہتے ہیں

۔“ اس کے تین سے ماما کا دل چلنے لگا تھا۔ بھیا کچھ نہ

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

کچھ سے بھانے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے

لیا۔ ان کے سینے سے لگی وہ چیخ چیخ کے رو رہی تھی۔
 ترپ رہی تھی۔
 ”کیا! کوئی بیٹی کو یوں خود سے جدا کرتا ہے؟ مجھے
 ایک بار صفائی کا موقع تو دیا ہوتا ہے اعتبار کر کے خود
 سے جدا کر دیا۔“
 ”مست رو کر آیا۔ معافی تو ہمیں مانگنی چاہیے گناہگار
 تو ہم ہیں۔ ہم نے ایک اجنبی کی باتوں کا تعین کیا۔
 تمہیں مجرم سمجھا۔ غلطی تو ہم سے ہوئی ہے۔“ بھیا
 نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ آنسوؤں میں روئی آنکھیں
 تھیں۔ اس کے سر پر وہ بارہ سے اٹھو کی چادر تن گئی
 تھی۔ مگر وہ پھر بھی رو رہی تھی۔

اس نے کارڈور میں قدم رکھا تھا کہ ملازم نے بی
 جان کے بلاوے کا پیغام دیا۔
 ”آپ نے بلایا لی جان۔“ بی جان بیڑ پہ بیٹھیں
 صبح کے دانے کن رہی تھیں۔ آواز پہ انہوں نے
 ایک نظر لیے چوڑے پنڈ سمیٹے کو بغور دیکھا اور
 اشارے سے اپنے پاس آنے کو کیا۔ سب بچوں میں
 انہیں میماز حیدر سے زیادہ محبت تھی۔ وہ شروع سے
 ان سے دور رہا تھا۔ پہلے کاتوٹ ہاسٹل اور پھر امریکہ
 سدھار گیا تھا۔ بی جان کو اس کی دوری کچھ زیادہ ہی
 محسوس ہوتی تھی مگر بیجان میماز حیدر کی خواہش پوری
 کرنا چاہتے تھے سولی جان کو دوری سنا بڑی۔ اب اسی
 عزیز بیٹے کو بڑھال دیکھ کر ان کا دل ہسچ کیا۔ زمین
 سے سن کر کہ وہ کشش کو ساتھ لے گیا ہے اور اب تنہا
 لوٹا ہے وہ حتیٰ سے باز پرس کرنا چاہتی تھیں۔ پر اب
 اس کا دانا ہوا انداز انہیں دل کر گیا۔ ان کی آنکھوں میں سر
 رکھ کر وہ قدموں تلے بیٹھ گیا بی جان کو وہ چھوٹا سا میماز
 لگا جو بھی کوئی شرارت یا غلطی کر کر رہا تھا تو اسی طرح ان
 کی آنکھوں میں سربے اعتراض کرتا تھا۔
 ”کشش کیلئے میماز؟“
 ”جی ہاں۔“ کشش کی جانب لوٹ گئی بی جان۔ جانتا
 ہوں آپ تھا ہوں گی کہ میں بہت سن مانی کرتے آگا

ہوں۔ آپ کی مرضی کے بنا اسے یہاں لایا اور آپ
 کے علم میں لائے بنا اسے چھوڑ بھی آیا۔ میں ایسا نہیں
 کرنا چاہتا تھا بی جان مگر مجھ سے اس کی حالت دیکھ کر
 نہیں جا رہی تھی۔ مجھے سزا دینے کو وہ خود کو انتہائی
 رہی۔ خود سے نفرت روا رکھ کر اس نے مجھے ہارنے
 مجبور کر دیا۔ میں نے اسے کبھی دکھ نہ دیا نہیں چاہا بی جان
 کیونکہ اس کے ہر زخم کی تکلیف مجھے ہوتی ہے۔
 راتیں وہ جاگتی تھی آنکھیں میری سنگتی تھیں۔ انہوں
 سے جدا وہ بھی اور دل میرا دیران تھا زخم وہ خود کو لگائی
 تھی درد مجھے ہوتا تھا۔ سنا میں نے اسے غلط راستے سے
 اپنا انگری سکون تو میں بھی نہیں تھا۔ میرا چین سکون
 اس کی خوشی میں پوشیدہ ہے۔ میں نے سوچا تھا میری
 محبت اسے جیت لے گی مگر سب خام خیالی۔ اس کی
 نفرت نے میری محبت کو سکھنے پہ مجبور کر دیا۔ وہ مجھ
 سے بہت نفرت کرتی ہے بی جان۔ یہاں پر کتنے چھپی
 کی طرح رہتی تھی سو میں اسے چھوڑ آیا۔ مجھ سے اس
 کی بے بسی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ وہ چلی گئی بی جان
 اس نے مڑ کر ایک بار بھی میری طرف نہیں دیکھا کہ
 میں کیسے سحر ہو رہا ہوں۔ میرا وجود بھر بھر رست میں
 تبدیل کر دیا اس کی بے گامی نے یہ محبت کیوں ہوئی
 ہے بی جان؟ مجھ جیسے شخص کو بے دلی محبت۔ آپ کا
 میماز حیدر بار گیلیا بی جان دل گیا کشش کے پیچھے۔ مگر
 گرم پانی سے بی جان کی آنکھوں جلنے لگی تھیں۔ انہوں
 نے اسے روٹے بھی نہیں دیکھا تھا۔ آج وہ ترپ رہا
 تھا۔ دل پہ پڑتے سنگ ریزوں نے اسے توڑ پھوڑ کر
 رکھ دیا تھا اور وہ منتشر ہو کر اپنی بار کا اعتراف کر رہا تھا۔

سروے کی پشت سے نکالے وہ لادک میں
 آنکھیں موندے تنہا بیٹھی تھی۔ شعلی کی لکیریں ملا
 کر رہی تھیں کہ کسی سوچ میں کم سے۔ ”کیا“
 شرمسار چھوٹی بیٹی کی طرح اس کا خیال رہنے لگا۔
 ”ہر دم دلوں میں لگے رہتے تھے۔ شائے کا لڑم لڑا
 ہو چکا تھا۔ ناکرہ گناہوں سے باعزت رہی اور وہ

کی عدالت میں سرخو ہو گئی تھی۔ کس وجہ سے
 ۔ کیا بھیا کے اتنی آسانی سے معاف کر دیئے۔ اس
 نے ملا سے استفسار کیا تھا اور ملا کے لبوں سے لکھا ہر
 لفظ اسے حیران کر گیا۔

”تمہیں لانے سے پہلے میماز حیدر مسلسل چار دن
 آتا رہا تھا۔ میں نے تمہارے یہاں اسے اندر آنے ہی
 نہیں دیا۔ شارق نے گریبان تک پکڑ لیا مگر اس نے
 بہت نہ باری روز چلا آتا اس نے کہا کہ بے شک اسے
 شوٹ کر دیا جائے مگر پہلے اس کی بات سن لی جائے۔ پھر
 اس نے تمام احوال سنایا کہ کیسے تمہیں اغوا کیا تمہاری
 کنویری سے فائدہ اٹھایا۔ وہ ہر جرم کا اعتراف کر گیا
 ۔ تمہاری پاکدامنی کا اعتراف کیا۔ تمہارے یہاں کے
 پاؤں تک پڑ لیے کہ اسے جو چاہیں سزا دیں مگر تمہیں
 معاف کر دیں۔ تمہارے یہاں بھیا کی کیسی بیسی باتیں
 برداشت کیں مگر جواب میں ایک لفظ نہ کہا۔ انہیں
 منانے کے لیے خودی کا ہر احساس ختم کر دیا غلطی اگر
 میماز کی تھی تو تمہارے یہاں کی بھی گئی وہ اگر آسانی سے
 جان جاتے تو اتنا ہنگامہ نہ ہوتا۔ کیا دیتے ہیں ہمیں یہ
 فرسودہ رسم و رواج؟ مگر ہم جانتے ہو مجھے ان اصول رسم
 و رواج کی پیروی کرتے چلے آ رہے ہیں۔“ ماما کہہ رہی
 تھیں اور وہ ان کے پاس سے ہٹ گئی تھی۔

”کشش یہ بنانا ٹھیک بی لو۔“ توازی پہ پلکیں وا
 کرتے ہوئے سیدھی ہو گئی۔ ملا اس کے پاس بیٹھ
 گئیں

”ناز بھیا بھی نیلے سے کب آئیں گی؟“
 ”یہ تو اس پر منحصر ہے۔ تمہارے چاچو نے ناز کے
 لیے شارق کی بات کی تو میں نے معذرت کر لی تھی کہ
 شارق تمہاری پیچھو کی فرا میں انٹرنلڈ تھا۔ میں نے
 اس سے بات بھی کر لی۔ اسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔
 شارق جیسا دانا اس کی بھی خواہش تھا۔ یوں مجھے ناز
 کے لیے منع کرنا پڑا۔ لیکن فرا نے جب بھائی کے
 دست سے سول میرج کر لی تو میں نے ناز کو مانگ لیا کہ
 ”میری اپنی بہن کی بیٹی عزیز تھی۔ شارق نے میرے
 حوالے کر دیا اور اب پھر اسی اتانے کے لیے میماز حیدر کو

تھی۔ یوں ناز اس گھر میں بہن بن کر آئی۔ شارق نے
 اس کے حقوق و فرائض میں کوئی کوتاہی نہیں برتی۔
 فرا کو گزرا اکل کچھ کر بھلا دیا۔ مگر ناز کے اندر سے یہ
 سوچ نہ نکل سکا۔ سیکنڈ چوائس کا خیال اسے ہم سے
 پر گشت کر گیا۔ اس نے کبھی ہماری صحبتوں کا رشتہ نہیں
 دیا۔ روز سو کی نوک بھونک پہ شارق کی برداشت
 جواب دے گئی تو اسے یہ کہہ کر چھوڑ آیا کہ جب دماغ
 اٹھکے۔ آجائے تو تین تین میں لینے آجاؤں گا۔ مگر مہینہ
 ہونے کو آ گیا ہے۔ وہ نہیں لوٹی۔ میں نے دونوں کو
 سمجھا کر دیکھ لیا ہے۔ غلطی ناز کی ہے۔ شارق کو تنہی کی
 خواہش ہے اور ناز نے عہد کر رکھا ہے کہ کبھی مجھے
 داوی بننے نہیں دے گی۔ یہ معمولی بات نہیں ہے
 جس پہ میں شارق کو دور گزرو کرنے کو کہوں۔ سناٹہ نے
 بھی بیٹی کو سمجھا کر دیکھ لیا ہے۔ دعا کرو اللہ اسے ہدایت
 دے۔ پتہ نہیں میرے بچوں کو نصیب میں سکھ کیوں
 نہیں ہے؟“ ماما کا لہجہ دل گرفتہ ہو گیا تھا۔

”اس طرح کب تک چلے گا بھیا ہمیں عدالت تک
 جانا ہی ہو گا۔ خلع کا نوٹس جلد بھیجنا چاہیے۔ نجات
 ملے میری بہن کو میماز حیدر سے۔“ اسٹڈی سے آتی
 بھیا کی توازی اس کے قدم لرز گئے۔

”عقل توڑنے میں کوئی غلطی نہیں ہے شارق
 تعلق قائم کرنے میں دلیری ہوتی ہے مگر توڑنے میں
 اک لمحہ بھی غلطی ہوتا ہے۔ پہلے ہی غلطی ہو چکی ہے
 اب جو کرنا ہے سوچ سمجھ کر کرو۔“ ماما بھی اندر تھیں۔
 بیٹی کی درد رہی پہ اک مجبور ماں چپ تھی اب جب بیٹی
 ناکرہ گناہوں کی سزا بھگت کر لینی تو لب کشا ہو گئے۔

”یہ آپ کہہ رہی ہیں ماما؟ دیکھا نہیں تھا جب وہ
 آئی تھی کیسا حال تھا اس کا۔ کچھ دن اور وہاں رہتی تو مر
 ہی جاتی میرا دل تو چاہ رہا تھا میماز حیدر کو شوٹ کر دوں۔“
 بھیا ہنوز غصے میں تھے۔

”بھوش میں ہمیشہ غلط فیصلے ہوتے ہیں پہلے اسی
 جوش کا باعث۔ سن کو درد رکھا۔ وہ صفائی میں بولنا چاہتی
 تھی مگر اتانے کے پکڑوں میں پکڑ کر اسے دکھوں کے
 حوالے کر دیا اور اب پھر اسی اتانے کے لیے میماز حیدر کو

شوٹ کر کے بسن کو بھوکھ کر دو۔ اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔" اما کا انداز سختی لیے ہوئے تھا۔ یہاں ہنوز خاموش تھے۔ اما نے بیٹھ ان کی مانی تھی۔ ان کے آگے بھی زبان نہیں چلائی۔ یہاں ساہو سفید کے مالک تھے اور جب کشش کے دھوکوں کی کہانی رقم ہوئی تو اما چپ نہ رہ سکیں۔ عورت چپ رہ جاتی ہے مگر ماں چپ نہیں رہتی۔

"اما بیارے غلطی کی مگر تھائی کی بھی پوری کشش کی۔ میار کے بابا جان مانی جان نے کئی بار فون کر کے کشش کی خیریت دریافت کی ہے۔ معاف کرو میار کو پہلے ہی بہت تماشا ہو چکا ہے مزید کی گنجائش نہیں ہے۔" اما اس کا بیکس لڑ رہی تھیں۔

"زندگی کشش کو گزارنی ہے۔ اس لیے فیصلے کا اختیار بھی اسے ہی دینا چاہیے۔ کشش جو فیصلہ کرے گی وہ ہم سب کو منظور ہو گا۔" کافی دیر سے خاموش بیٹھے یہاں نے ہانبداری سے فیصلہ سنایا تو بھیا چپ رہ گئے۔ خلع یا طلاق یافتہ عورت کی ہماری سوسائٹی میں کتنی قدر وقعت ہے۔ یہاں اس سے آشنا تھے۔ سواب کسی غلطی کو دوبارہ کر رہی کو ناخوش نہیں کر سکتے تھے۔ فیصلے کا اختیار اسے سونپ دیا گیا۔ اب وہ خود سے استفسار کر رہی تھی۔ "میں کیا چاہتی ہوں؟"

"جب تمہیں دیکھا تو میرے دل نے کہا۔ میار حیدر یہ نیلی آنکھوں والی لڑکی تمہارے لیے بنائی گئی ہے۔" سناتے میں آشنا آواز گونجی تھی۔ اس نے گھبرا کر ارد گرد نگاہ دوڑائی۔

"تمہارے عمل سے دل میں بہت درد ہو رہا ہے یہ کہہ رہا ہے مجھ سے میار حیدر تمہارے برے ہو۔ تم نے محبت کو جیتنے کی کوشش نہیں کی بلکہ حاصل کرنے کے چکر میں پڑ گئے۔" کیسا شکستہ لہجہ تھا۔

"جانتا ہوں میں میار حیدر بہت برا ہے مگر تمہاری قسم کشش بہت چاہا ہے اس نے تمہیں۔" کیسا دل کھلاؤنے والا انداز تھا۔ باز گشت بویہ گئی تھی۔ تنگیہ کھانے پر تھکے وہ غصے میں سر ہلا رہی تھی۔ اندر کہیں زوروں کی مارش ہو رہی تھی۔

سراٹھا کر اس نے آنے والی ہستی کو دیکھا تھا۔ نگاہوں میں شناسائی کی برقی نہیں تھی۔ سیاہ نظروں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ "بیٹھنے کو تمہیں کھو کی؟" زہریں نے خود ہی لب کشائی کی۔ وہ ہنوز خاموش تھیں۔ زہریں خود ہی اس کے مقابل بیٹھ گئی۔ ارد گرد نظروں ڈالتے گئے گئی۔

"بھئی کمرہ ہے جہاں میں بے تکلفی سے دندنا پی پھرتی تھی تب تم میری ہسٹ فرینڈ تھیں پر اب تم مجھے بہت قاصطے محسوس ہوتی ہو۔ تم نے مجھ سے تعلق توڑ لیا صرف اس لیے کہ میں میار حیدر کی بسن ہوں۔ ہاں مجھے اس حقیقت سے انکار نہیں۔ مگر اس رشتے پر شرمندگی بھی نہیں۔ بھائی نے جو کچھ کیا وہ صرف تمہاری محبت میں جنونی ہو کر کیا تمہارے گھر جانے کے ڈر سے کیا۔ بھائی کی نیت بری نہیں تھی۔ ہوتی تو وہ تمہیں اپنانے کے بجائے حاصل کر کے زمانے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے۔ انہوں نے تم سے محبت کی ہے تمہاری نفرت کے باوجود وہ تم ہی سے محبت کرتے رہیں گے آج نہیں کل نہیں تا مگر بھلے تم انہیں برا بھلا کہو دو مگر تم انہیں محبت کرنے سے روک نہیں سکتیں۔ اپنا بھائی مجھے کل بھی عزیز تھا اور آج بھی عزیز ہے۔ لیکن کبھی بھی احساس ہوتا ہے کاش کہ میں نے تم سے دوستی نہ کی ہوتی کی ہوتی تو بھابھی بنانے کی خواہش کو دل میں جگہ نہ دیتی۔ اسی خواہش نے مجھ سے میری عزیز دوست کو چھین لیا۔ میرے بھائی کا چین سکون ہتھیا لیا۔ مجھے تم دونوں پیارے ہو میں خود کو تم دونوں کی مجرم تصور کرتے گئی ہوں۔ میں یہاں ایک دوست کی حیثیت سے نہیں آئی ہوں نہ ہی خود کو تمہاری ہند تصور کر رہی ہوں۔

میں یہاں انسانیت کے نام سے تم سے ایک درخواست کرنے آئی ہوں۔ میار حیدر کو بھالو کشش۔ وہ ہی تو ماں ہے مگر مردوں سے بدتر ہے اسے سخت وار سے تھپا دیا اور وہ مرجائے گا۔ وہ تمہارے بٹا نہیں رہ سکا۔ اسے

تمہاری ضرورت ہے۔ وہ اکیلا ہے تمہیں تمہاری خوشی کے لئے جس دن سے تمہیں یہاں چھوڑ گیا ہے اسی دن سے اس کی زندگی بے رنگ ہو گئی ہے۔ وہ مسکراتا ہے مگر اس کی مسکراہٹ نوحہ ہوتی ہے۔ فقہہ لگاتا ہے تو آنسوؤں کی نمی صاف محسوس ہوتی ہے۔ پچھلے دنوں ڈپریشن نے ٹیپر چکر کی صورت اختیار کر لی تھی۔ عالم بے ہوشی میں بھی وہ تمہیں پکارتا رہا ہے اس کی سزا ظنم کرو کشش۔ "ایک بسن بھائی کی خوشی کے لیے تمہارے آگے گزر رہی تھی۔ آنسو بہا رہی تھی۔ وہ سیاہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ تھک کے وہ خود ہی لوٹ گئی۔

وہ بالکل ہی میں کھڑی تھی۔ مجھی اما نے کارڈ لیس اسے تھمادیا تھا۔

"تمہاری کل ہے۔" اما چلی گئی تھیں۔ اس نے کارڈ لیس کل سے لگا لیا۔

"ہیلو کشش نو۔" کہتے کہتے اس کے لب جیسے خود بخود ہی ایک دو سرے سے جڑ گئے یوں جیسے بھانک حقیقت پردوں سے نکل آئے۔

"میں تمہاری بی جان بول رہی ہوں کشش۔"

"اسلام علیکم۔"

"و علیکم اسلام جیتی رہو۔ کیسی ہو؟" اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ پھنس گیا خاموشی محسوس کر کے بی جان بولیں۔

"اک مجبور ماں تم سے انتہا کر رہی ہے کہ اس کے بیٹے کو معاف کرو۔ تم صرف اک بار کہہ دو کہ تم نے اسے معاف کر دیا۔ وہ پرسکون ہو جائے گا۔" اک ماں بیٹے کے لیے معافی کی خواہش کا گھر تھی اس نے چپکے سے کل ڈسکنٹ کر دی۔

جنون کی ہوا اپنے سنگ سب بہا لے جاتی ہے۔ میار حیدر نے جیتنے کے لیے بیٹھا بھائی تھی مگر شائستگی کا موسم چھا گیا اس کی منتظر نظریں دردناک تھیں۔ یہ بھی رہتی تھیں۔ ہر آہٹ پہ سہمت دل بن کر دھڑک

عمیرہ احمد کا قسط وار

ناول

امریٹیل

اب کتابی شکل میں شائع

شائع ہو گیا ہے

خوبصورت سرورق آفٹ

ہیمیر، مضبوط جلد، خوبصورت

پتھپاتی

قیمت — 400/- روپے

ڈاک خرچ — 30/- روپے

ملنے کا پتہ :-

مکتبہ عمران ڈائجٹ 37

اردو بازار کراچی

فون :- 2216361

اچھا تھا۔ اس کی گوشہ نشینی، دوا لگی کو دیکھ کر سب کو لگ رہا تھا وہ جلد ہی پاگل ہونے والا ہے اب بھی اس کی دھڑکنوں میں کشش کے قدموں کی آہٹ گونج رہی تھی۔ نگاہیں منتظر تھیں۔ پلکیں ترن گئی تھیں قدموں کی آہٹ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ دفعتاً آنکھیں ساکت ہو گئیں۔ پھر سنہری آنکھوں میں جگنوؤں نے ڈیرے بجالائے۔ وہ دشمن دل و جاں کمرے کی پولیٹیر گھڑی تھی۔ یہ دیکھ کر کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے اس کے قدموں میں ہلکی سی لرزش ہوئی پھر اس نے کمرے کے اندر قدم رکھ دیا۔ وہی کمرہ تھا جس میں بڑے دھڑلے سے رہتی رہی تھی۔ مانوس کمرہ اپنے کمین کی طرح اس لگا۔ کمرے کی اک اک چیز اسی جگہ موجود تھی جیسے انہیں کسی نے پھوایا بھی نہ ہو۔ طائرانہ نگاہ دوڑا کر اس نے نظریں میاز حیدر پر جما دیں۔ یہاں آج فاضل جواب مانگا تھا وہ چاہتے ہوئے بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکی تو اس سے ملنے چلی آئی۔ وہ اسے بار بار دیکھنے کی تمنا ہی تھی اور جب وہ اس حال کو پہنچ گیا تو وہ بھی اسے ہو رہا تھا۔

”کیا حال ہیں؟“ جذبات و احساسات سے عاری عام بے تاثر انداز میں استفسار کیا جیسے کسی راہ چلتے سے استفسار کر رہی ہو۔ اس کی آنکھوں میں بھی محبت کو جیسے اس نے پھروے مارا تھا وہ حواسوں میں لوٹ آیا تھا۔ ”کیا تم نہیں جانتی؟“ بہت ہولے سے دریافت ہوا۔ شکوے، گلے، جھگڑنے لگے تھے۔ وہ کئی ٹانگیں اسے دیکھتی رہی پھر نظر پھیر کر ڈرنگ ٹیبل کے شیشے پر اٹکی پھیرنے لگی۔

”یہاں مجھے فیصلہ چھوڑا ہے کہ میں تم سے خلع لینا چاہتی ہوں یا نہیں؟ یہاں تم سے یہی پوچھنے آئی ہوں کہ تم مجھے طلاق دے رہے ہو یا میں خلع کاٹوں بھجواؤں؟“ بڑے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ میاز حیدر ساکت رہ گیا تھا۔ وہ جس لمحے چند لمحوں میں گوش گمانی کا عمل تعمیر کر لیا تھا وہی لمحہ اس کے وجود پر آ کر۔ بدن میں جھنجھکی سی

”طلاق یا خلع کے بعد میں نے سرے سے اپنی زندگی کی شروعات کروں گی۔ تم نے جواب نہیں دیا۔“ اس کی زندگی بے نور کر کے وہ اپنی خوشیوں کی نوید دے رہی تھی۔ اس گھڑی بلا کاغذ آیا تھا۔ ”کتنی بے دردی ہے جس لڑکی ہو تم میں نے جس لڑکی کو ٹوٹ کر چاہا خودی کا احساس ختم کر ڈالا اور تم۔“ مجھت کرنے لگا لڑکی بھی تو تم جیسی لڑکی۔ جاؤ کیس وائر کرو میں بھی دیکھتا ہوں تم کیسے مجھ سے چھٹکارا حاصل کرتی ہو۔ بے شک ساری زندگی مجھ سے نفرت کرو کر میں تمہیں کسی قیمت پر آزاد نہیں کروں گا۔“

”تم تمہارے خوار شدہ ہو تو تھیک ہے خاموشی سے نہ سہی اب کورٹ میں یہ معاملہ بنے گا۔“ اس کے غصے کو بے تاثر نظریں سے دیکھا اور جلد مکمل کر کے شان بے نیازی سے واپس مڑنے لگی۔ میاز حیدر نے دو چار قدموں ہی میں اسے جا لیا۔ غصیناں انداز میں بازو سے پکڑ کر دھکیلنے لگا اسٹائل سے دوبارہ لگا دیا۔ خود دونوں ہاتھ اس کے گرد دوپارے جھائے شرابا نظریں سے دلچہ رہا تھا۔ پھر میاز حیدر کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بچھ گیا۔ اس کا بدن جل رہا تھا ابھی جب اس نے بازو پکڑا تو اسے احساس ہوا کہ اسے نہیں بچھ رہا۔ آزادی کے بعد تو اسے کھانا گلاب ہوا چاہیے تھا مگر وہ آج بھی زور تھی۔ اس کے گرم ہونے کی دہکتی قربت نے میاز حیدر کو کسی قاتل نہ پھوڑا۔ چہرہ ٹانگیں وہ اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کی آواز دھیمی سرگرمی میں بدل گئی۔

”اتنی بے دردیوں ہو تم؟ کتنا پھرے تمہارا دل کہ میری محبت کی گرمی اسے بگھلانے لگی؟ نہیں ترس نہیں آتا مجھ پر؟ میرے حال پر؟ ذرا احساس نہیں کہ ایک ہوش مند شخص تمہارے پیچھے دل گیا۔“ وہ سانس روکے کھڑی تھی۔ اس کی سب سے قوت پر تپش سرگرمی ساگنے لگی تھی۔

”تمہاری محبت کا گناہ گار ہوں جو ہرگز اور کب نہ بے کا لگی سہی نہیں جاتی مجھ سے۔ کیوں پھر مجھے تنہا؟ کیوں نہیں سوچا کہ میاز حیدر کیسے مجھے

ہیں؟ جانتے وقت اک نظر مڑ کر نہیں دیکھنا۔ کتنی جوت پڑی تھی سینے کے اندر تمہیں خبر ہے؟ حال دیکھا ہے تم نے میرا؟ اب نوڈٹ رہنے والے میاز حیدر کو جوگی بنا دیا تم نے۔ تمہیں میں یاد نہیں آتا؟ تمہارے دل میں مکمل ہونے کی خواہش سر نہیں اٹھاتی؟ تمہارا دل نہیں چاہتا کہ میری گھجوں کی پھوار میں تاجر بھگتی رہو کیوں نہ پاتی ہو مجھے؟ کبھی کسی چیز کی طلب نہیں کروں گا میں ایک بار مجھ سے محبت کر لو۔“ جنین عشق لفظوں میں آسمانے تھے فضا خروہ ہو گئی تھی۔ اک لحظے کو اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا پھر استہزائیہ انداز میں مسکرا دیا۔

”تمہارے کیوں ہر بار تم سے اپنی بے نیویں کا ذکر کرتا ہوں جانتا بھی ہوں کہ تم یہ کچھ اثر نہیں کرے گا تمہارے جس پتھروں لڑکی ہو جیسے کسی کے جذبات و احساسات کی پروا نہیں۔“ اس نے پھر کراس کا کارڈ پکڑ لیا۔

”ہاں میں بے حس، بے درد، پتھروں لڑکی ہوں۔“ مجھے کسی کی تکلیف کا کوئی احساس نہیں۔ چپ کیوں ہو گئے کوئی اور پتھر رہ گیا ہو تو وہ بھی مار لیں۔ بڑے محبت کے دعوے ادا رہتے ہیں یہ ہوتی ہے محبت؟ ایسی ہوتی ہے محبت کہ محب کو کائنات یہ ٹھیکٹ لو؟ اس کی آن امان سر عام دھل دو؟ بے تحیر ذرے کی طرح بکھیر کر راستے کی دھول بنا دو؟ اگر آپ اسی کو محبت گردانتے ہیں تو جان لیجئے کہ یہ محبت نہیں ہے میاز حیدر۔ یہ کم نہیں ہے جیسے محب اور جنگ میں سب جائز ہے کہ اگر آپ جیتنے میں لگے ہوئے تھے۔“ میاز حیدر نے کوئی مزاحمت نہیں کی خاموشی سے اسے دیکھا رہا۔ میری پرسکون زندگی میں تلامم بپا کر کے مجھے مجرم قرار دے رہے ہیں۔ یہاں آپ کی انا کو مجروح کیا اور اب میں آپ نے میرے ساتھ زیادتی کر کے یہاں کا مڑھ کا دیا۔ ایک مونے دو سرے مڑھ کو نچا دکھانے کو مجھے مشق سہمنا ڈالا۔ آپ دو مڑھوں کی جنگ میں میرا تصور بننا تھا جو میری برسوں کی مٹائی عزت پر دان غراگا؟ مجھ سے میری آن بان چھین لی میری ذات کا زعم

چھین لیا؟ کیا میری کوئی مرضی نہیں تھی؟ میرے دل و احساسات کی آپ نے پروا کی تھی جو میں کرتی؟ میری کوئی عزت حیثیت نہیں تھی آپ کی نظریں میں۔ بے جاں چیز کی طرح آپ نے مجھے استعمال کر لیا۔ یہ سوچے بنا کہ میرے کارڈ کو نہیں لگ سکتی ہے۔ یہ سوچے بنا کہ میرے سینے میں بھی ایک دل ہے۔ اس کے بھی ارمان ہیں۔ ایک عورت کو سب سے بڑی گلی لگتی ہے بے اعتبار ہونا اور آپ نے مجھے بے اعتبار کیا۔ یہاں بھیا کے سامنے آپ نے میرا سر نہیں جھکایا میری ذات کا خون بہایا تھا۔ آپ جانتے ہیں آپ کے اس عمل نے مجھے کیس کا نہیں رکھا۔“ کالر ٹھیکوں میں بیٹھے روتے روتے پیشانی اس کے سینے پر نکادی۔ جیتنے جیتنے جیسے تھک گئی تھی۔ میاز حیدر خاموشی سے اپنے سینے پر جھکے سر کو دیکھتا رہا۔ وہ کتنی ہی دیر سکھیں بھر گئی رہی۔ پھر اس کی آواز خود دکھائی میں ڈھل گئی۔

”تم نے میرے وجود کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا ہے میاز حیدر محبت کی تارن نہیں آج تک کسی نے کسی کو اتنی بڑی سزا نہیں دی ہوگی جتنی سزا تم نے مجھے

سنجیو پوری کی کتاب ”کھانا خزانہ“ کی کامیابی کے بعد لکھے کھانوں کی ترکیبیں

انڈین کھانے

سنجیو پوری

قیمت = 250/- روپے

ڈاک خرچ = 30/- روپے

آج ہی گھر بیٹھے منگوانے کے لیے

= 280/- روپے کا سنی آرڈر یا وارنٹ

ارسال کریں

منگوانے کا پتہ

کتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی

فون نمبر 2216361



دی۔ زریں کی باتوں سے تصوراتی یماز حیدر کا بہت حسین خاکہ بنایا تھا میں نے کیا خبر تھی کہ حقیقت میں تم خود بھی اس خاکے کو قس قس کر رہ گئے۔ بہت اونچے سنگھاس پہ بیٹھنا تھا تمہیں اور تم نے ہی میری بربادی کی داستان رقم کی۔ توڑ پھوڑ دیا ہے تم نے مجھے۔۔۔ وہ جیسے تھک کر خود ہی خاموش ہو گئی تھی۔ حیر کے سینہ میں غوطہ زن یماز حیدر اپنے سینے پہ مجھے سر کوئی دھتار رہا۔ یہ اعتراف کہ وہ بھی اسیر محبت ہے اسے ساکت کر گیا۔ سرائھا کر کشش نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا پھر نظر پھیر گئی۔ کتنے گلے شکوے تھے اس کی آنکھوں میں محبت بھرے دل پہ زور زبردستی کے سنگ ریزے برسائے تھے اس نے اور وہ نازک سی لڑکی بکھر گئی تھی ٹوٹ گئی تھی۔ اسے کہتے ہیں محبت دیا گئی ہے۔ یماز حیدر کو وہ کوئی دیوانی ہی لگی تھی۔ جس نے اس کی غلطی پہ ہر ذمہ اپنے لیے منسب کیا تھا۔ ہر ستم اپنے لیے بخور کیا تھا۔ محبت کرنے والے شاید ہر ذمہ خود کو لگاتے ہیں۔ اس کا ٹھوہرا اعتماد بھٹل ہو گیا تھا۔ پچھلے رشتے مل گئے تھے مگر پھر بھی کیسی بے نور کھنڈر تھیں آنکھیں کیسی زرویی تھکی تھی رنگ روپ میں ظالم صیاد کی قید سے رہائی پا کر اسے خوش ہونا چاہیے تھا مگر وہ ناخوش تھی۔ اعتراف کر رہی تھی کہ ظالم صیاد کی پہلے ہی اسیر تھی۔ وہ خود صیاد کی پناہ میں آنا چاہتی تھی مگر صیاد نے زور زبردستی سے کام لے کر اس کے پر کاٹ کر اسے خود سے منقطع کر دیا اور صیاد کی غلطی کی سزا وہ خود کو دیتی رہی کہ اسے صیاد سے محبت تھی۔ یماز حیدر کو وہ کالج کی گڑیا لگی جو کسی بھی لمحے ٹوٹ کر پھسکتی تھی۔ اس کے کمزور ہاتھوں جسم کو دیکھتے اپنی باتیں داکر تے اس نے محبت سے چور لہجے میں سرگوشی کی۔

”جہیں بکھیرا ہے تو سمیٹوں گا بھی۔ اس وعدے کے ساتھ کہ پھر بھی کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ ابھی تمہیں واپس پھوڑ آؤں گا۔ تاکہ پورے آن بان سے رخصت کر اسوں۔ جو پتہ ہوا اسے بھول کر ہم نئی داستان رقم کریں گے۔“ اس کی کمر کے گرد بازو حاصل کیے اس کی طرف جھٹک کر اس کی دھڑکنوں سے محبت باندھ رہا تھا۔ دھڑکنے قس قس آنکھوں سے ناک رہا تھا۔ اس کی ہر زیادتی و زبردستی اس کی خوشیوں کا سامان کرنا چاہتی تھی۔

”مجھے معاف کر دینا تم نے۔ میں نے بہت زیادتی کی تمہارے ساتھ۔“ رخساروں کے موٹی پٹے لگا۔ تمام منظر گھر گئے تھے تمام گلے مٹ گئے تھے۔ اسے سمجھو دونوں کو مسکرا کر رہا تھا۔

”مجھے آپ سے کوئی گد نہیں ہے۔“ اس کے ہاتھ کر بیان کے ٹکڑے پھیل رہے تھے۔ اس کے منہ نے اسے خوشی دی تھی۔ وہ اس کے حصار سے اٹھ گئی۔

”فی الحال تو چلو تمہیں واپس پھوڑ آؤں۔“ مہر اعلیٰ بے ایمان ہو گیا تو پھر الزام نہ دنا۔ ”اس نے (اس کی باتوں میں گستاخی کر ڈالی۔ وہ بدک کر بھاگ نکلی ہوئی۔

”یار! اہل کی بیوی ہو ذرا سے میں تمہارا نہیں۔“ آنکھوں میں شوخی لیوں پہ شرارتی مسکراہٹ اس کی اڑی اڑی رنگت پہ بے تحاشا اس رہا تھا۔

256

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com